مابعد نو آبادیات اور پاکستانی سماج: اردو انشا پردازی میں دو جذبیّت کی حامل زبان کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ایم۔ فل (اردو)

مقالہ نگار:

وسیم انور ممتاز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز۔ فیکلٹی آف لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۲۲ء

مابعد نو آبادیات اور پاکستانی سماج: اردو انشا پردازی میں دو جذبیّت کی حامل زبان کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار:

وسیم انور ممتاز

یہ مقالہ

ایم۔فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، فیکلٹی آف لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۲۲ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے،وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگو ئجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان:ما بعد نو آبادیات اور پاکستانی سماج :اردوانشاپردازی میں دو جذبیّت کی حامل زبان کا تجزیاتی مطالعہ

پیش کار:وسیم انور ممتاز　　　　رجسٹریشن نمبر:NUML-S20-13624

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ اردوزبان وادب

ڈاکٹر صائمہ نذیر ------------------

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی------------------

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بر گیڈیئر سید نادر علی ------------------

ڈائریکٹر جنرل

تاریخ——————

اقرار نامہ

میں، وسیم انور ممتاز حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں کیا گیا تحقیقی کام میری ذاتی کاوش کا نتیجہ ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر صائمہ نذیر کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ تحقیقی کام کسی اور یونیورسٹی میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور وعدہ کرتا ہوں آئندہ کسی یونیورسٹی میں پیش کروں گا بھی نہیں۔

وسیم انور ممتاز

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۲۲ء

فہرست ابواب

Abstract

I have divided my research into four chapters entitled "Post Colonialism and Pakistani Society- An analytical study of ambivalent language in Urdu composition.
In the first chapter, after the introduction of the subject, the introduction of post colonialism and its effects on language are presented. Basics of Language have been presented. In addition to discussing ambivalence, ambivalent behaviors in communication have been presented. Difference between ambivalent and multilingualism have been presented
In the second chapter, the social context of ambivalent language is introduced. The information about colonialist and colonized is mentioned. In this chapter, the relation of colonialist and colonized is discussed with reference to the colonialism. Usage of English words is mentioned with reference to daily dialogues and communications at school and home. Effects of social media on new generation and its influence on language are discussed. In the last part of the chapter, it is stated that European culture has the powerful influence on our new generation, in a result, Pakistani culture and identity going towards end. Ambivialent language uses in schools frequently is also highlighted.
Chapter three introduces psychological context of ambivialent language. In this chapter role of language in personality development is presented. Effects of ambivialent language on personality have been examined in detail in this chapter. The way of thinking and acting is mentioned in the last part of the chapter.
Chapter four compares "Ambialent language and Urdu comosition". It examines the Urdu composition is the way of presentation of thoughts. Basics of Urdu composition are also discussed. The relation between ambivialent language and Urdu composition showed.

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ اس ذات نے مجھے زندگی، صحت اور دماغ جیسی نعمتوں سے نوازااور ان نعمتوں کے طفیل نہ صرف یہاں تک پہنچا یابلکہ محنت اور لگن کے ساتھ حصولِ علم کے قابل بھی بنایا۔ محسنِ کائنات ﷺ کی کرم فرمائی پر ممنون ہوں جن کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تحصیلِ علم کے لیے سر گرداں ہوں۔ میں اپنے اساتذہ کا احسان مند ہوں جنھوں نے تحقیق کے گر سکھائے۔

شعبہ اردو نے اعزاز بخشا کہ ایک منفرد تحقیقی کام کی اجازت دی۔ ایسے نئے موضوع پر تحقیق کے دوران، میری سپروائزر اور مشفق استاد ڈاکٹر صائمہ نذیر نے برابر راہ نمائی فرمائی، تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ ان کی خصوصی شفقت ہمراہ رہی اادر میں تحقیق کی منازل آسانی سے طے کرتا گیا۔ میرے والدِ گرامی ڈاکٹر سعید احمد انور اور والدہ محترمہ کے لیے بہت سی دعائیں کہ جنھوں نے ادبی ماحول فراہم کر کے میرے ذوق کی آبیاری کا سامان کیا۔ میں اپنے والدین کا دونوں جہاں میں مقروض ہوں جو ہر لمحہ میری کامیابی کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔

میں اپنے تمام دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو ہمہ وقت مجھے یاد رکھتے ہیں اور بے لوث محبت کے بادل نچھاور کرتے ہیں۔ اردو ادب کے میدان میں میرے رہبرِ اوّل محترم منیر فیاض صاحب کی مستقل نوازشات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کا تعاون اور حوصلہ افزائی ساتھ رہتی ہے۔

آخر میں، میں دعا گو ہوں اللہ پاک میرے والدین اساتذہ اور میرے دوستوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آمین

باب اول:

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

ا: تمہید

ا۔ موضوع کا تعارف (Introduction)

موضوع مقالہ کے تحت "مابعد نو آبادیات اور پاکستانی سماج: انشاپردازی میں دوجذبیت کی حامل زبان کا تجزیاتی مطالعہ" پیش کیا گیا ہے۔ گھر، سکول اور میڈیا میں کثرت سے استعمال ہونے والے انگلش الفاظ سیکھ جانے کی وجہ سے بچوں کو اردو انشاپردازی میں پیش آنے والی مشکلات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوجذبی زبان کے استعمال کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے اردو انشاپردازی کے گرتے ہوئے معیار اور نسلِ نو کی اردو تحریر میں مشکلات اور عدم دلچسپی کو راولپنڈی، اسلام آباد کے سرکاری، نیم سرکاری اور نجی سکولوں کے طلبا سے سوالناموں کے ذریعے سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر سامنے لایا گیا ہے ۔ موضوع کے تحت مابعد نو آبادیاتی تنقید میں استعمار کار اور استعمار زدہ کے درمیان لسانی رشتے کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔

اردو زبان میں شامل ہونے والے انگلش الفاظ کے اس لسانی رشتے کی وضاحت کے لیے ہومی کے بھابھا کی وضع کردہ مابعد نو آبادیاتی اصطلاحات Mimicry(نقل)، Hybridity (دوغلا پن)، Ambivalence(دو جذبیت) شاملِ تحقیق ہیں۔ ہومی کے بھابھا نے دراصل اپنے ہم عصروں کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ ایڈورڈ سعید کی فکر کے تسلسل میں مابعد نو آبادیات میں مندرجہ بالا فکر انگیز تصورات متعارف کروائے ہیں۔ اس نے ثقافت کے مطالعات کو مابعد نو آبادیات کے ساتھ ملا کر نئی سوچ دی ہے۔ نو آبادیاتی نظام میں آقا اور غلام، حاکم اور محکوم، مہذب اور وحشی، جدید اور روایتی جیسے تضادات میں کسی ایک کو غالب اور دوسرے کو لازمی طور پر مغلوب سمجھا گیا ہے۔ یہی تضادات نو آبادکار اور نو آبادیاتی باشندے کی شخصیت میں بھی موجود ہوتے

ہیں۔نو آبادکار صرف ایسے نمائندوں کو تیار کرنا چاہتے ہیں جو رنگ و نسل میں مقامی ہوں۔ ایسے نمائندے نو آبادکار کی نقل تو ہو سکتے ہیں مگر ان کی ترجمانی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اس طاقت کے حامل ہی نہیں ہوتے جو نو آبادکار کے پاس ہوتی ہے ۔بھابھا کے مطابق یہ نقل(Mimicry) ہی ناممکن ہے ۔دوغلا پن (Hybridity) بھی اپنے اندر دو جذبی خصوصیات رکھتا ہے۔نو آبادیاتی موجودگی ہمیشہ دو جذبی ہوتی ہے۔

مابعد نو آبادیات اردو تنقید کی ایک ایسی قسم ہے جس میں ادب پارے کی تخلیق کے محرکات، معیار اور اقدار کو پرکھنے کا موقع میسر آتا ہے اور ماضی کے ایک مخصوص دور میں جاری رہنے والی سرگرمیوں، عمل اور رد عمل کے تفاعل اور ثقافتی مظاہر کے پردے کے پیچھے کار فرما مقتدر طاقتوں سے معاملہ کرتی ہے۔

انسان کے نظریات اور تصورات زبان کے ذریعے اظہار پاتے ہیں۔زبان کسی بھی قوم اور معاشرے کی ثقافتی، علمی، لسانی اور سماجی تاریخ کے ساتھ اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ کوئی بھی نظریہ یا تصور ان سے الگ رہ کر جنم نہیں لے سکتا۔چوں کہ مابعد نو آبادیات کے معاشروں میں زبان کی بدولت استعماری غلبے کی پوری تاریخ موجود رہتی ہے۔چناں چہ زبان کی بدلتی صورتحال پر نظر رکھنا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی شخصیت کی اردو ادب سے وابستگی کا تنقیدی جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۲۔بیان مسئلہ(Statement of problem/ Thesis)

مابعد نو آبادیاتی مطالعہ، ثقافتی مطالعات کا حصہ ہے۔نو آبادکار علم کو طاقت سے جوڑنے کے لیے مشرق کے علم کو کم تر، دقیانوسی اور زمانے کے تقاضوں سے بے خبر قرار دیتا ہے اور استعمار زدہ باشندوں کی فطرت، توہمات، رسم و رواج، اور ثقافتی مظاہر علم کو یورپی تصورِ کائنات کی روشنی میں دیکھتا ہے۔مقامی باشندوں کو کاہل، سست اور غیر مہذب قرار دے کر اپنے آقاؤں کی تہذیب، رسم و رواج اور زبان کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ استعماری یلغار میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ استعمار کار کی تہذیب، ثقافت، لباس، زبان و ادب، تعلیم، مذہب،

قانون، اندازِ فکر اور اقدار اعلیٰ ہے چناچہ استعمار زدہ اسے نقل کرنے کی کوشش میں توازن کی بجائے انتہا پسندی کا شکار ہو جاتا ہے، اور اپنی ثقافت سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ اسے کم تر سمجھنے لگتا ہے۔

پاکستانی سماج میں پلتے، ایسی مخلوط زبان کے حامل طلبہ سے اردو انشاپردازی ناممکن نظر آتی ہے۔ اردو تحریر بھی اردو الفاظ کے حامل ذہن سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحقیق کے تحت اردو انشاپردازی میں دو جذبیت کی حامل زبان کا تجزیاتی مطالعہ بیانِ مسئلہ ہے۔

۳۔ مقاصدِ تحقیق (Research Objectives)

تحقیقی مقالے کے مقاصد درج ذیل ہیں:

ا۔ مابعد نو آبادیات کے پاکستانی سماج پر اثرات کا زبان کے حوالے سے مطالعہ کرنا۔

۲۔ زبان اور انشاپردازی کے باہمی تعلق کی اہمیت کو اجاگر کرنا۔

۳۔ انشاپردازی میں دو جذبیت کی حامل زبان کا جائزہ لینا۔

۴۔ تحقیقی سوالات (Research Questions)

تحقیقی مقالے کے لیے درج ذیل سوالات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

ا۔ مابعد نو آبادیات کے تناظر میں استعمار کار اور استعمار زدہ کے مابین لسانی رشتے کی نوعیت کیا ہے؟

۲۔ انشاپردازی میں زبان کا کیا کردار ہے؟

۳۔ دو جذبیت کی حامل زبان کس طرح انشاپردازی پر اثر انداز ہوتی ہے؟

۵۔ نظری دائرہ کار (Theoretical Framework)

تحقیق اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے اس لیے کہ مابعد نو آبادیاتی تنقید میں استعمار کار اور استعمار زدہ کے درمیان معاشی، ثقافتی، سیاسی، تہذیبی، مذہبی اور تعلیمی رشتے کا مطالعہ مختلف متون کے ذریعے کیا جاتا رہا ہے۔ نو آبادیات کے زبان پر اثرات کا بھی جائزہ دیکھنے میں آتا ہے۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ دیکھا جائے کہ پاکستانی سماج میں دو جذبیت کی حامل زبان کے ساتھ نسلِ نو کو اپنا مافی الضمیر اردو میں تحریر کرنے میں کون سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اردو زبان و ادب کی تعمیر و تفہیم میں دو جذبی زبان کے استعمال کا ادراک اور تحدید کا لائحہ عمل سامنے لانا ضروری ہے تا کہ اردو زبان اپنی انفرادیت کے اعزاز کو قائم رکھ سکے۔

اس تحقیق کے تحت مطالعہ کرنے کے لیے ہومی کے بھا بھا کی اہم تصنیف " The Location of Culture" جو ۱۹۹۰ میں شائع ہوئی، کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ ثقافتی مطالعات میں اس کتاب کو بیسیویں صدی کی اہم ترین کتاب کی حیثیت حاصل ہے کہ اس کتاب میں بھابھا نے چند اہم مابعد نو آبادیاتی اصطلاحات وضع کر کے ان کی وضاحت کی ہے۔ استعمار کار اور استعمار زدہ کے رشتے کا تجزیہ کر کے وضع کی گئی اصطلاحات درج ذیل ہیں:

۱۔ Mimicry (نقل)

۲۔ Hybridity (دوغلاپن، مخلوط یا متذبذب شخصیت)

۳۔ Ambivalence (دوجذبیت)

انسانی استحصال کے اس دور کو سمجھنے اور بے نقاب کرنے میں بیسویں صدی کے اواخر میں کئی مفکرین نے مختلف زاویوں سے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ہومی کے بھابھا نے اپنے ہم عصروں کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے اور ان کی فکر کو نئی جہت دیتے ہوئے مابعد نو آبادیات میں مندرجہ بالا تصورات متعارف کروائے ہیں۔ ہومی کے بھابھا نے ان اصطلاحات کی مابعد نو آبادیاتی تشریح کر کے مخلوط شناخت کی حامل نسل

کی نشاندہی کی ہے۔ یہ مخلوط شخصیت تہذیب و ثقافت، علم، ادب اور زبان ہر زاویے سے بٹی ہوئی نظر آتی ہے چناچہ تحقیق بھی انشاپردازی میں دوجذبیت کی حامل زبان کے تجزیاتی مطالعے سے متعلق ہے۔

تحقیق کے لیے ایک اور کتاب بھی اہمیت کی حامل ہے۔ ایڈورڈ ڈبلیو سعید کی کتاب "Orientalism" جس کا اردو ترجمہ ''شرق شناسی'' کے نام سے محمد عباس نے کیا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد نے اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ:

> ''اس عہد آفریں کتاب میں مغربی سامراج کے سائے میں پنپنے والے اوریئنٹلزم کا حقیقت افروز تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ سعید مغربی علوم کی اس شاخ کو مغرب کی سامراجی توسیع پسندی کا آلہ کار قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب نے مشرق پر غلبہ حاصل کرنے اور اپنے غلبے کو دوام بخشنے کی خاطر یہ علم ایجاد کیا تھا۔''

دوجذبیت کی حامل زبان کی پیدائش اور فروغ کو سمجھنے کے لیے ان کے علاوہ بھی مابعد نوآبادیات کے مطالعات کی نمائندہ کتابوں کو سامنے رکھا جائے گا۔

۶۔ تحقیقی طریقہ کار (Research Methodology)

تحقیق کے لیے تجزیاتی تحقیق کا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ چناچہ موجودہ مواد کو بنیاد بنا کر موضوع کے مطابق مطالعہ کیا گیا۔ تمام نکات اور جزئیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ طلبہ، اساتذہ اور والدین سے انٹرویو کے لیے سوالنامہ بھی شاملِ تحقیق ہو گا تاکہ موضوع کا گہرائی سے مطالعہ کر کے نتائج اخذ کیے جائیں۔

بنیادی مآخذات تک رسائی کے لیے کتب خانوں جن میں مختلف جامعات (نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، انٹرنیشنل اسلامک یونورسٹی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی) اور نجی کتب خانوں کے ساتھ ساتھ پبلشرز جن میں سنگِ میل پبلشرز، اکادمی ادبیات، مقتدرہ قومی زبان اور نیشنل بک فاونڈیشن جیسے اداروں کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ ثانوی مآخذ جن میں تحقیقی و تنقیدی کتب شامل ہیں، اخبارات، رسائل اور مقالہ جات کو بھی مدِ نظر

رکھا گیا ہے۔ اہم ویب سائٹس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ آن لائن کتب خانوں جن میں ریختہ لائبریری پر دستیاب مواد سے بھی استفادہ کرنا تحقیقی طریقہ کار کا اہم حصہ ہیں۔ بقدرِ ضرورت طلبہ، اساتذہ اور والدین سے انٹرویوز بھی شاملِ تحقیق ہوں گے۔

۷۔ موضوع پر ما قبل تحقیق (Work Already Done)

موضوع جس میں انشا پردازی میں دو جذبیت کی حامل زبان کا تجزیاتی مطالعہ شامل ہے۔ اس سے قبل اس قسم کا تحقیقی و تنقیدی کام نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ مابعد نو آبادیات اور اردو ادب اور مابعد نو آبادیات کے زبان پر اثرات جیسے موضوعات پر کام کیا گیا ہے۔

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز میں شعبہ انگلش سے پی ایچ ڈی کی سطح پر ۲۰۱۰ اور ۲۰۱۲ میں دو مقالے لکھے گئے ہیں جن کے عنوانات بالترتیب:

1. Classroom Discourse in Bilingual Context: Effects of Code-Switching on language learning in Pakistan TEFL Classroom

2. The Motivational Language of Children as Border Crossers in contemporary Literature

ہیں۔ ان مقالات میں زبان کی بدلتی حالت کے متعلق تحقیق ہے مگر انشا پردازی میں اس کے کردار کو واضح نہیں کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں میرے پیشِ نظر تحقیقی منصوبے کے تحت ایسا کوئی تحقیقی و تنقیدی کام نہیں کیا گیا جس کی فہرست ما قبل تحقیق میں شامل کی جائے۔

۸۔ تحدید (Delimitation)

موضوع کے تحت مابعد نو آبادیات کے پاکستانی سماج پر اثرات کا مطالعہ شامل ہے اس حوالے سے ۱۹۴۷ء سے آج تک کا مطالعہ اس انداز سے کیا جائے گا کہ پاکستانی خاندان اپنی بول چال کی زبان میں کس حد تک تبدیل ہو چکے ہیں۔ اپنے مافی الضمیر کے بیان میں اردو زبان کے ساتھ ساتھ انگلش الفاظ کا استعمال کس حد تک معمول

بن چکا ہے۔ آنے والی نسلوں کی تربیت میں اس دو جذبی زبان کے استعمال کے بڑھتے ہوئے رجحان کا مطالعہ شامل ہے۔ انشاپردازی کے اس عمل میں دو جذبی زبان کے مطالعے کے لئے حدِ تدریج (Bench Mark) میٹرک کے طلبہ ہوں گے۔ اس عمر میں بچے کی تربیت میں والدین اور اساتذہ کا بہت اہم کردار ہے چناچہ ان کو شاملِ تحقیق کیا گیا ہے۔ اساتذہ میں صرف اردو پڑھانے والے اساتذہ کو شامل کیا گیا ہے۔

۹۔ پس منظری مطالعہ (Literature Review)

موضوع پر کام کرنے کے لیے جن کتب کا مطالعہ کیا گیا ہے ان میں مابعد نوآبادیات اور مابعد نو آبادیاتی اصطلاحات سے متعلقہ مواد شامل ہے۔ مابعد نو آبادیات سے متعلق تحقیقی و تنقیدی کتب جن میں ناصر عباس نیرؔ کی تصنیف "مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں" جو ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آئی۔ اس میں آٹھ ابواب کو شامل کیا گیا ہے۔ مابعد نو آبادیات، حدود و امتیازات، نو آبادیاتی سیاق میں علم اور طاقت کے حوالے سے ایک جامع معلومات پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے ہم مابعد نو آبادیات اور اردو زبان کے باہمی تعلق سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ناصر عباس نیرؔ نے اس کے پیش لفظ میں اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب میں معنی اس ساخت کی تلاش اور تعبیر کی کوشش کی گئی ہے جو گذشتہ دو صدیوں میں نو آبادیاتی صورتحال کے ہاتھوں وجود میں آئی ہے اور جس نے اردو زبان کی اساسی فکر اور اردو زبان کی شعریات کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے نو آبادیات کی تہہ میں کارفرما عمل کے اثرات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اس کے علاوہ ہومی کے بھابھا کی اہم تصنیف The Location of Culture جو ۱۹۹۰ میں شائع ہوئی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ثقافتی مطالعات میں اس کتاب کو بیسویں صدی کی اہم کتاب کی حیثیت حاصل ہے کہ یہ نظریہ ساز کتاب ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے نو آبادیاتی عہد اور مابعد نو آبادیاتی عہد دونوں کے ادب میں نو آبادیاتی تمدن / استعماری ثقافت کے بارے میں رد و قبول کے دو متضاد جذبات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جسے دو جذبیت کا نام دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بھابھا نے مقامی باشندے کی اس نفسیاتی کشمکش کو بیان کرنے اور سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ان اصطلاحات کو پیش کیا ہے۔

موضوعِ مقالہ کے تحت کام کرنے کے لیے ایڈورڈ ڈبلیو سعید کی کتاب Orientalism، جس کا اردو ترجمہ "شرق شناسی" کے نام سے محمد عباس نے کیا ہے، کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ایڈورڈ سعید نے یہ کتاب لکھ کر باور کروایا ہے کہ مغرب نے مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اس علم کو ایجاد کیا ہے۔ سامراج نے اپنے سیاسی مقاصد کی روشنی میں مشرقی اقوام کے ماضی اور حال کی تعبیر اس انداز میں کی ہے کہ جس کے نتیجے میں غلام اپنے آپ کو غلامی پر رضامند کی تدبیر کرتا ہے دو جذبی زبان کی حامل نسلِ نو کی ادبی تخلیقی صلاحیتوں میں کمی کی وجوہات کی تلاش میں ان کتابوں کی اہمیت واضح ہے۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت (Significance of Study)

انشاپردازی میں دو جذبیت کی حامل زبان کا مطالعہ ایک منفرد تحقیق ہے جس پر اس سے قبل کسی قسم کا کام نہیں ہوا۔ مابعد نو آبادیات اور اس کے معاشرے پر اثرات کے حوالے سے تو بہت سی کتابیں ملتی ہیں۔ مگر انشا پردازی میں دو جذبیت کی حامل زبان کا تجزیاتی مطالعہ اس تحقیق کا خاصہ ہے۔ ہندوستان میں نو آباد کاروں نے نفسیاتی غلبہ حاصل کرنے کے لیے زبان اور مشرقی علوم سے واقفیت کو استعمال کیا ہے۔ یورپی اقوام مذہبی، تہذیبی اور علمی تفاخر کے ساتھ دیگر تہذیبوں، ثقافتوں، مذاہب رنگ اور نسل کے حامل معاشروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نو آبادیاتی دور کے اختتام کے بعد بھی ادب میں سامراجی مزاج کا دخول رہا خصوصا زبان کے بدلتے معیارات ہیں جنھیں مابعد نو آبادیات کے ذیل میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ زبان کا جائزہ اس لیے بھی اہم ہے کہ انشاپردازی میں اس کی حیثیت بنیادی ہے، اور دو جذبیت کی حامل زبان کے نتیجے میں پلنے والی نئ نسل کی مخلوط قسم کی شخصیت کا سماج اور ادب سے تعلق سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مطالعے سے انشاپردازی میں دو جذبیت کی حامل زبان کے مسائل کو عیاں کیا گیا ہے۔

ب۔ مابعد نو آبادیات (تعارف اور بنیادی مباحث)

ا: مابعد نو آبادیات: تعارف

زمانے کے لحاظ سے دیکھیں تو مابعد نو آبادیات کا ایک زمانہ تو ۱۹۵۰ء سے آج تک جاری ہے اور دوسرا یہ کہ اگر نو آبادیات کا خاتمہ ہی مابعد نو آبادیات کہلاتا ہے تو تو پھر اس کی ابتدا تو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں امریکہ کی آزادی سے ہونا چاہیے۔ پہلی رائے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ دراصل یہی وہ زمانہ ہے جب بہت تعداد میں یورپی نو آبادکار آزاد ہوئے اور دنیا میں نو آبادیاتی نظام کے پلے ہوئے لوگ آباد ہوئے۔ انیسویں صدی میں امریکی اور افریقی ریاستوں اور بیسویں صدی میں ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے ساتھ ساتھ دنیا میں ایسی ریاستوں کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا جہاں غیر اعلانیہ نو آبادیاتی نظام قائم ہے، اور اس فکر کی روشنی میں مابعد نو آبادیات کا دائرہ کار اٹھارہویں صدی سے شروع ہو کر آج کے دن تک ٹھہرتا ہے۔ دراصل مابعد نو آبادیات ایک ایسا طرزِ فکر ہے جو اس وقت بھی وجود میں آسکتا ہے جب سیاسی اور انتظامی طور پر کوئی ملک استعماری کے قبضے میں ہو۔

> "مابعد نو آبادیات بلکہ نو آبادیاتی رابطے کے پہلے ہی لمحے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کمپوزیشن
> کا ڈسکورس ہے جسے استعمار وجود میں لاتا ہے۔"(۱)

مابعد نو آبادیات کی تفہیم اس لیے بھی ضروری ہے کہ ابھی اس کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اس نے لباس بدلا ہے۔ یورپی طرزِ زندگی آج بھی پسندیدہ ہے۔ لباس، خوراک، طرزِ تعمیر اور زبان اسی طرح قابلِ تقلید سمجھی جاتی ہے ۔ مابعد نو آبادیات نے ہماری ثقافت اور قومی تشخص کو جو زخم پہنچایا ہے اس سے آج تک خون رس رہا ہے اور جس کا مستقل علاج ناممکن نظر آتا ہے۔ پاکستان کا نظامِ تعلیم اسی کا مظہر ہے۔ مابعد نو آبادیات کا ثقافت سے بہت گہرا تعلق ہے کیوں کہ نو آبادیات نے سب سے زبان کو ہی نشانہ بنایا کہ جو گویا ثقافتی قلب ہوتا ہے۔ استعمار کار نے نو آبادیات کا آغاز ہی استعمار زدہ کی تاریخ اور ثقافت کی تحریر سے کیا۔

Post – Colonialism rather begins from the very first moment of colonial contact. It is the discourse of compositionality which colonialism bring into being.(۱)

کیوں کہ ادب معاشرے کی سچی تصویر کشی کرتا ہے اس لیے مابعد نو آبادیات میں ادب کو اولیت کا درجہ حاصل رہا۔ گویا نو آبادیات کا معاشرے سے گہرا تعلق ہے اس بات سے قطع نظر کہ کوئی معاشرہ نو آبادیات کے تجربے سے گزرا یا نہیں۔

نو آبادیات سیاسی، ثقافتی اور علمی استحصال کی ایک شکل ہے۔ اس میں استعمار کار اپنی سیاسی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے ثقافتی اور علمی میدان میں ایسی تبدیلیاں لاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں وہ ثقافت ہیچ ہو جاتی ہے ۔اس میں ریاستی اداروں اور ابلاغ کے ذرائع استعمال میں لاتے ہوئے فوجی اور سیاسی قبضے کے ساتھ ساتھ استعمار زدہ کے ذہن اور اس کی نفسیات کو بھی تبدیل کیا جاتا ہے۔ مسلسل برتر تہذیب و ثقافت کا یہ بیانیہ مقامی لوگوں کو اپنی تہذیب سے متنفر کرتا ہے۔ برصغیر میں استعمار کاروں نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے مقامی زبان اور کلاسیکل علوم سے آغاز کیا۔ نو آبادیاتی نظام میں برتر و کم تر کی یہ جنگ جاری رہتی ہے۔ استعمال کار اور استعمار زدہ کے درمیان مغرب و مشرق، مہذب و غیر مہذب، غلام اور آقا کی اس کش مکش کا انجام ایک کی برتری اور دوسرے کی کمتری کی صورت میں انجام پاتا ہے۔ نو آبادیات کی تین خصوصیات ہیں۔

> "یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اپنے ادارہ جاتی تغیر کے باوجود، استعمار عام طور پر تین خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے۔ تسلط، استحصال اور ثقافتی قبضہ۔"[۲]

نو آبادیات اور مابعد نو آبادیات کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ نو آبادیات کی خصوصیات کا مطالعہ مابعد نو آبادیات ہے ۔نو آبادیات کے سیاسی، معاشی اور ثقافتی اثرات کے پیچھے کار فرما محرکات کا مطالعہ مابعد نو آبادیات ہے۔ اس میں نو آبادیات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اختلافات کو دیکھا جاتا ہے۔

"It has been argued that, despite its institutional variation, colonialism typically displays three characteristics, domination, exploitation and cultural imposition"[2]

نو آبادیات میں چونکہ سیاست اور علم کی طاقت کا نفاذ مدِ نظر ہوتا ہے اور مابعد نو آبادیات میں اسی طاقت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ نو آبادیات میں متن کی بجائے مصنف اہم ہے جبکہ مابعد نو آبادیات میں تناظر کو اہمیت دی جاتی ہے۔

نو آبادیاتی نظام نے ایسی فکر کو پروان چڑھایا کہ جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ دنیا میں کچھ قومیں اور نسلیں بہتر ہیں اور کچھ غیر مہذب اور پس ماندہ۔ بہتر قومیں پس ماندہ اقوام کو اپنے ماتحت کر کے مہذب بنانے اور ان کی زندگیوں میں بہتری لانے کے لیے اپنا فرض ادا کرتی ہیں۔ نو آباد کار یہ بھی سمجھتا ہے کہ ان کی تہذیب کا اندازِ فکر زیادہ سائنسی ہے اور نو آباد کی ترقی اسی نظام کی پیروی میں ہے۔ ایسا ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان سے ہی شروع ہو گیا جب ہندوستانیوں کا شعور اور رویہ بھی تبدیل ہو گیا، اور ایک ایسی فضا قائم ہو گئی کہ نوجوان رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی اور کردار اور فکر کے اعتبار سے انگریز نو آباد کار کا نمونہ تھے۔ ڈاکٹر عابد حسین کے بقول:

> "جنگِ آزادی ۱۸۵۷ کا بگل بجتے ہی وہ ایک جھجک اور در پردہ حکومت کی مصلحت تھی، ختم ہو گئی، نئی تہذیب کا وہ قافلہ جو آہستگی سے چل رہا تھا۔ اچانک برق رفتاری سے رواں دواں ہو گیا۔ انگریزی حکومت کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب پورے ملک پر چھا گئی اور اس نے ہندوستانیوں کی ساری زندگی کو درہم برہم کر دیا۔"(۳)

چناں چہ نو آباد نے بھی مغرب کے تسلط کو اپنے لیے باعثِ خیر و خوبی سمجھا اور اپنے کلچر، مذہب اور ادب کو لغویات سمجھا۔ نو آبادیاتی حکمرانوں نے اپنا تعلیمی نظام بھی متعارف کروایا۔ جس میں یورپ کو ترقی کا پیش خیمہ بنا کر پیش کیا گیا۔ استعمار زدہ نے اسی نظام کو پسند کرنا شروع کر دیا۔ ایسی خیال پیدا ہو گیا کہ جب تک یورپی تہذیب کو اختیار نہ کیا جائے گا۔ ترقی نہیں کی جا سکے گی۔ اب نو آبادیاتی دور کا خاتمہ ہو چکا ہے، پاکستان ایک آزاد ملک کے طور پر موجود ہے۔ پاکستان میں اب بھی ایک طبقہ فکری لحاظ سے مغرب کے زیرِ اثر ہے۔ مغربی

تہذیب سے متاثر ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی اور جدیدیت کا تقاضا یہ ہے کہ کی زبان کو اختیار کیا جائے اور آنے والی نسلوں کو بھی ابتدا سے ہی انگریزی زبان کی طرف راغب کیا جائے ۔ پاکستان کی قومی زبان اردو اور انگریزی زبان نہ بولنے سے نفرت آج بھی موجود ہے۔ یہ طبقہ اپنی سوچ اور فکر کے لحاظ سے خود کو مغربی سمجھتا ہے اور اپنے ملک اور اس کی زبان سے جڑے لوگوں کو اجڈ اور جاہل خیال کرتا ہے۔ یہ نو آبادیات کا ورثہ ہے جو ہمیں مل چکا ہے۔ انھیں حالات میں اردو زبان کی تقریری اور تحریری حفاظت کرنا ضروری ہے۔

۲: مابعد نو آبادیات کے زبان پر اثرات

استعمار کار کا حملہ ثقافت پر ہوتا ہے ۔ چوں کہ زبان ثقافتی خاصہ ہے، یعنی ثقافت کا ایسا عنصر کہ جس کے ختم ہونے سے ثقافت کی موت یقینی ہو جاتی ہے ۔ زبان کی اس ثقافتی خاصے کا مجموعہ ہی پوری ثقافت کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ثقافت کی ان تمام اکائیوں کے باہمی تعلق کو ثقافتی اسلوب کہا جاتا ہے۔ یہ اسالیب مادی اور غیر مادی دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ثقافت کے یہ تمام اسالیب کسی اہم پہلو کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس طرح اسلامی اسالیب مثلاً کلمہ، نماز، روزہ اور حج وغیرہ ہماری اسلامی ثقافت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم اپنی زبان کی اکائی کی اصلاح کی بات کرتے ہیں تو دراصل اس سے مراد ہمارے ادب کی ثقافت ہے ، جس کا زندہ رہنا ضروری ہے ۔ نو آبادیات محض جز وقتی عمل نہیں ہے۔ اس میں استعمار زدہ کی تہذیب کو سمجھنے اور پھر اس تہذیب کو نو آبادیاتی علم میں تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ اس تبدیلی میں سیاسی، سماجی اور ثقافتی نتائج کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ نو آبادکار علم کو ذریعہ بنا کر اقتدار کا حصول ممکن بناتا ہے اور اس علم میں اولیّت ثقافت کو دی جاتی ہے۔ زبان ثقافت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اٹھارہویں صدی میں استعمار کار اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ ہندوستان میں زبان کا ثقافت سے بہت گہرا تعلق ہے ۔ زبان کے اس ثقافتی تصور کا مطلب یہ ہے کہ زبان صرف اظہارِ خیالات اور مافی الضمیر کے بیان کا ہی ذریعہ نہیں بلکہ ایک ایسا علامتی نظام ہے کہ جس میں اس معاشرے کے تمام خدوخال پوشیدہ ہیں ۔ اس معاشرے کی سوچ اور زندگی گزارنے کے انداز کا تجزیہ وہاں کی زبان کے مطالعے سے ہی ممکن ہے ۔ زبان کے مطالعے سے ہی سماج کی روح اور اس کے خصائل کو سمجھا جا سکتا ہے ۔

چونکہ زبان وہ بنیاد ہے کہ جس پر انسان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔نو آباد کار کے لیے زبان کو ثقافتی اور علامتی نظام تصور کرنے کا مطلب اس بنیادی قوت کا حصول ہے کہ جس کے بعد نو آباد کی تحریر اور تقریر کو سمجھنا تھا۔ تا کہ اس سے ان کے ذہن اور جذبات کو سمجھا جا سکے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیئر نے اپنی کتاب ‘‘ مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں ’’میں لکھا ہے کہ

‘‘زبان کی اقدار اور رسمیات سمندر کی تہہ میں پڑے موتی نہیں ہوتے کہ آسانی سے نظر نہ آئیں۔یہ سمندر کی ان لہروں کی مانند ہیں جو سمندر کی روانی کا نتیجہ اور مظہر ہیں ۔لہذا ممکن نہیں کہ سمندر(زبان)کا نظارہ اس کی لہروں(اقدار و اسمیات)کے بغیر کریں ۔یہی وجہ ہے کہ اول اول یورپیوں نے ، جب نو آبادیاتی اغراض غیر اعلانیہ تھیں ،تو انھوں نے ہندوستان کی زبانوں کے اقدار کے حسن اور رسمیات کی خوبی کو محسوس کیا اور ان کی تحسین کی۔’’(۴)

یہاں اس حقیقت کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ہندوستانی زبان میں معنی کا کیا تصور ہے ؟ کیا ہندوستانی زبان کے الفاظ کے دوسری زبانوں میں مترادفات بھی موجود ہیں؟ برنارڈ ایس کوہن نے کہا ہے کہ:

‘‘سترھویں صدی کے یورپی نشانات اور مطابقتوں کی دنیا میں جبکہ ہندوستانی 'واقعی اور مادری' دنیا میں رہتے تھے۔لہذا مغل ہندوستان میں معنی کا تصور انگریزی سے بالکل مختلف تھا۔ہندوستانی فارسی میں معنی اپنے متعلقہ لفظ یا شے کے علاوہ ناقابلِ انتقال تھا، اس لیے کہ الفاظ اور اشیا سے تصورات کا ایک ایسا سلسلہ منسلک تھا، جسے دربار کے کلچر نے بہ طورِ خاص پیدا کیا تھا اور جسے لفظ سے جدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔لہذا بادشاہ جب کوئی فرمان جاری کرتا یا کسی کو خطاب سے نوازتا تو وہ محض حکم اور تحسین سے بڑھ کر ہوتا۔نہ ان کا ترجمہ ممکن تھا، نہ ان کا کوئی متبادل و مترادف۔’’(۵)

معنی کا تصور زبان کے ساتھ خاص ہے، زبان کے بدلتے ہی معنی کا تصوّر بدل کر اس زبان کے دائرہِ فکر تک محدود ہو جاتا ہے۔ یہ تصو ّر اس زبان کے حامل افراد کی ثقافت و تہذیب کے گرد گھومتا ہے۔ نو آباد کاروں نے نو آبادیاتی علاقوں کی زبان سیکھی، لغات بنائے، ان پر تحقیق کی اور اس زبان کے حصول کے لیے ادارے بھی بنائے۔ چوں کہ آباد کار طاقت کا حصول چاہتا ہے چناں چہ اس کے لیے وہ اپنی زبان کو مسلّط کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ زبان کے تسلّط کے ذریعے دراصل استعمار کار کئی ثقافتی مقاصد کا حصول ممکن بنانا چاہتا ہے اور اپنی زبان کا نفاذ بھی چاہتا ہے۔ نو آباد کار کے نفاذِ زبان سے مقامی زبان کے حامیوں اور نو آبادیاتی زبان کے پھیلانے والوں کے درمیان مخالفت بھی جنم لیتی ہے۔ اس اختلاف میں استعمار کار جیت جاتا ہے اور استعمار زدہ ایک نئے ثقافتی دور میں داخل ہو جاتا ہے۔ یورپ نے سترھویں صدی میں ورینکلز زبانوں (جیسے انگریزی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ) میں تراجم کا آغاز کر کے ایک لا محدود سماجی برتری کا آغاز کیا۔ یورپین جانتے تھے کہ زبان کے ذریعے سے ہی ثقافتی غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے، مقامی زبان کو بے دخل کیا جا سکتا ہے، لسانی تسلط قائم کیا جا سکتا ہے، استعمار زدہ کا تمام علمی سرمایہ قبض کر کے نئی ثقافت اور طبقاتی شناخت وجود میں لائی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ نے اس علم کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی کتاب 'مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں' لکھا ہے کہ:

> ''اسی علم کو یورپ میں جدیدیت (ماڈرنیٹی) اور جدید کاری (ماڈرنائزیشن) کے لیے استعمال کیا گیا اور اسی علم کو ایشیا اور افریقہ میں یورپی استعماری تخیّل نے کلچرل پالیٹیکس کے لیے برتا۔ ایشیا اور افریقہ کی نو آبادیوں میں جدیدیت اور جدید کاری کی جو لہر پیدا ہوئی اور ان کی جو صورتیں سامنے آئیں وہ سی کلچرل پالیٹیکس کا بلواسطہ نتیجہ یا باقاعدہ حصہ ہیں اور یہی حقیقت یورپی جدیدیت کو نو آبادیاتی ممالک کی جدیدیت سے جدا بھی کرتی ہے۔''[۶]

استعمار کار نے اس کلچرل پالیٹیکس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزی زبان کی اہمیت کو اس طرح اہمیت دی کہ اوّل اسے سرکاری زبان بنا کر پیش کیا گیا اور دوسرا استعمار زدہ کی تہذیب کو کم تر اور اپنی تہذیب کو بڑھا کر پیش کیا گیا ۔زبان کے معاملے میں انگریزی زبان کو زیادہ تہذیب یافتہ بنا کر پیش کرنے کا مطلب ثقافتی ورثے کی آڑ میں طاقت کا حصول تھا۔ اس کی ابتدا میں انھوں نے سرکاری ملازمتوں کا اہل ہی صرف ان کو ٹھہرایا کہ جن کو انگریزی زبان آتی تھی۔ انگریزی جاننے والے ملازمین جو کلرک اور ماتحت سے زیادہ نہ تھے، زندگی کے بلند مقاصد سے نا آشنا تھے۔استعمار کار کی طرف سے یہ ایک قسم کی لسانی استعماریت تھی۔ ناصر عباس نیرّ نے لکھا ہے کہ:

> ’’لسانی استعماریت کا سادہ مطلب کسی زبان کا ایسا غلبہ ہے جو دیگر زبانوں کی پسپائی اور استحصال کی شرط پر ہو۔لسانی استعماریت میں ایک زبان سے وہ قوت وابستہ کر دی جاتی ہے جو دوسری زبانوں کو طاقت اور انھیں سماجی عرصے میں حاصل مقام سے محروم کرتی چلی جاتی ہے‘‘(۷)

لسانی استعماریت کو سمجھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح انگریزی زبان کو سرکاری زبان بنایا گیا اور اس کو معاشرتی برتری کی علامت سمجھا گیا۔ عزت، وقار اور سٹیٹس کی علامت سمجھے جانے والی اس زبان نے ایسے پنجے گاڑے ہیں کہ آج تک اپنی قومی زبان کو پسِ پشت ڈال کر انگریزی زبان کو بولنا، پڑھنا اور تحریر کرنا اپنے تئیں تہذیب کی علامت سمجھا جارہا ہے۔ انگریز نے اردو زبان کو سمجھ کر، گویا اس بنیادی قوت تک رسائی حاصل کی تھی جس کے آگے معاشرے کے افراد خود کو بے بس سمجھتے ہیں۔ دراصل زبان کی علامتیں ہی شخصیت سازی کے عمل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ انگریز قوم نے زبان کے ذریعے سے ہی ہماری گفتگو اور تحریر کو اپنی گرفت میں لے کر اردو زبان کو پسِ پشت ڈالا اور انگریزی زبان کو عام کیا۔

۳:زبان کیا ہے؟

جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے اس وقت سے آج تک کی ہزاروں زبانوں بولی جاتی ہیں کسی ایک زبان کو انسان کی پہلی زبان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ تحریر اور زبان کی تعلیم کی ابتدا زبان کے آغاز کے کافی بعد میں ہوئی ہے۔ مگر فطری تبدیلیوں اور آثار کا جائزہ لے کر معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں زبان کی شکل کیسی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زبان کا ارتقا ہوتا رہا اور آج زبان کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ انسان صرف عقل کی وجہ سے حیوانات سے مختلف ہے وگرنہ ہمارے ذہنوں میں پلنے والے صبح سے شام تک کے خیالات کو اگر ہم ویسا ہی ظاہر کریں جیسا کہ ہمارے ذہن میں آتے ہیں یا لکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا انسان بھی وحشی درندے سے کم نہیں ہے۔ انسان کا بچہ بھی پیدا ہوتے ہی روں روں کرنا شروع کر دیتا ہے جیسے تمام حیوانات کے بچے اپنے منہ سے مہمل آوازیں نکالتے ہیں۔ انسان کی اصل اور فطری آواز وہی ہے جو مصیبت اور بے اختیاری میں اس کے منہ سے نکلتی ہے۔ انسان کی عقل اس کی ان بے اختیار آوازوں کو با معنی لفظ کا جامہ پہناتی ہے۔ انسانی بول چال کا پہلا استاد 'سانس' ہے۔ پھیپھڑوں کے ذریعے سے نکلنے والا سانس جب باہر کی ہوا سے متصادم ہوتا ہے تو آواز پیدا ہوتی ہے۔ بولنے والا اگر آواز کو ٹھہرا کر ذہن میں معنی لا کر نکالتا ہے تو با معنی لفظ ورنہ بے معنی۔ اللہ نے انسان کو بے پناہ قوّتوں میں سے قوّتِ مدرکہ (ادراک کی قوت)، قوتِ حافظہ، قوتِ متخیّلہ اور قوّتِ تمیز سے نوازا ہے۔ یعنی پہلے خیال آتا ہے، پھر حافظے میں محفوظ ہوتا ہے، قوتِ متخیلہ سے اس کی صورت بنتی ہے اور اسے عقل کے حوالے کیا جاتا ہے۔ عقل اسے آواز کی صورت دے کر منہ سے ادا کرواتی ہے، یہی زبان کا عمل ہے۔ بچے میں زبان کی ابتدا بھی اسی عمل کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ مولوی عبدالحق نے 'علم اللّسان' میں لکھا ہے کہ:

> ''جس طرح انسان کی عمر کے چار زمانے ہیں اسی طرح اس کی زبان کے بھی چار ہی درجے ہیں۔ اوّل درجہ یعنی اس کا زمانہ طفلی وہ ہوتا ہے جس میں صرف آوازوں یعنی اعرابوں۔ حرکتوں۔ اسموں۔ ضمیروں۔ صفتوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں جو الفاظ وضع ہوتے ہیں وہ اپنی اصلی بھولی بھالی حالت۔ ٹھیک ٹھیک اور سیدھی سادی ہیئت لغوی کیفیت اور معانی کو جوں کا توں برقرار رکھتے ہیں۔۔ اس کے بعد جوانی آتی

ہے اس میں ابتدائی زبان لغات و الفاظ کے سیدھے سیدھے معنوں سے گریز شروع کرتی اصطلاحی اور مجازی معنی پر ہاتھ ڈالتی ہے نئی نئی تراش خراش بہم پہنچاتی ہے ۔۔۔۔۔۔بعد ازاں ادھیڑ پن کا زمانہ آتا ہے۔ اس میں علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ بیان، علم کلام، علمِ منطق یہ تمام سلامت وری اور متانت کے بھرے ہوئے علوم پڑھانے کی آسانی کے واسطے ایجاد ہو جاتے ہیں۔"(۸)

زبان خیالات اور جذبات کے بیان کا وسیلہ ہے۔ زبان انسان کے لیے وہ دروازہ کھول دیتی ہے کہ جس میں سے حقیقت کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نئے علوم کی معرفت کا ذریعہ، معلومات کا تبادلے اور ذاتی شناخت کا موجب بھی ہے۔ بچہ پیدائش کے ساتھ ہی علم کا حصول شروع کر دیتا ہے۔ انسان کو زبان کی ہی وجہ سے حیوانِ ناطق کہا گیا ہے۔ زبان حروف، الفاظ، محاروات اور گرامر پر مشتمل ہوتی ہے۔ منہ سے نکلنے والی آوازیں مافی الضمیر کو ظاہر کرتی ہیں۔ الغرض زبان اور زندگی لازم و ملزوم ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب 'زبان اور اردو زبان' میں تحریر کیا ہے کہ:

"زبان کب اور کہاں ایجاد ہوئی۔ اس کے متعلق وقت اور جگہ کا تعیّن بہت مشکل ہے۔ بلکہ بولی جانے والی یا تقریری زبان کی قدامت سے تو ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے وہ روزِ ازل سے انسان کے ساتھ آئی ہے اس لیے کہ تاریخ کے ہر عہد اور افراد کے ہر گروہ میں اس کا سراغ ملتا ہے۔ تاریخ کے محققین اور آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے مصر ، عراق اور وادیِ سندھ کی تہذیبوں کو قدیم ترین بتایا ہے ان علاقوں میں جو کھدائیاں ہوئی ہیں ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ۵۰۰۰ سال پہلے جو لوگ یہاں آباد تھے وہ فنِ تحریر سے بھی واقف تھے۔ آج ہم اس زبان کو صحیح طور پر پڑھنے اور سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ لیکن اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صرف تقریری صورت نہیں بلکہ زبان کی تحریری صورت بھی دنیا کے مختلف علاقوں اور

زمانوں میں موجود رہی ہے اور اسی کی بدولت کسی مخصوص علاقے کے لوگ مہذّب
اور شائستہ کہلائے ہیں۔"(۹)

زبان کا دائرہ کار انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتا رہتا ہے۔ انسانی جذبات کا کوئی اظہار ایسا نہیں جو زبان کے ذریعے سے ادا نہ ہو۔ زبان علامت کے ذریعے کام کرتی ہے۔ مثلاً 'کتاب' 'کتاب' نہیں ہے، اس کا مطلب 'کتاب' ہے۔ لہذا زبان میں استعمال ہونے والی علامتیں بولنے والے، سننے والے اور لکھنے والے، دونوں کے علم میں ہوتی ہیں۔ زبان اکتسابی عمل ہے۔ مشق اور دہرائی کے ساتھ عادت بنانے سے زبان سیکھی جاتی ہے۔ ہم دوسروں کو اپنے احساسات بتانے کے لیے زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ سامنے والے کے موافق ہم اپنے الفاظ اور لہجے کو تبدیل کرتے ہیں۔ موثر بات چیت کے لیے ہم الفاظ، اشارے اور عمل کا سہارا لیتے ہیں۔ زبان کا تعلق بچے کی اخلاقی نشوونما سے بھی ہوتا ہے۔ اٹھارہ ماہ میں ہی بچہ اپنے اردگرد کی آوازوں کو سنتا اور اپنے طور پر غلط یا صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ زبان کسی بھی بچے کی شخصیت کی نشوونما میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ بچہ زبان کے بغیر پیدا ہوتا ہے، لیکن کسی بھی رسمی تربیت کے بغیر، پانچ سال تک کی عمر میں زبان کے کئی سو الفاظ جان جاتا ہے۔ زبان سیکھنے کا عمل وراثتی ہے جو بچے میں اللہ کی طرف سے ودیعت کیا ہوتا ہے۔ زبان بچے کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جذباتی نشوونما کا بھی زبان سیکھنے میں کردار بہت اہم ہے، بچہ ابتدائی ایام سے ہی والدین کے چہرے کے تاثرات سے سیکھتا ہے۔ زبان تمام علوم کی بنیاد ہے۔ اسکول کی تعلیم زبان پر مبنی ہے ،زبان ادب کا ذریعہ ہے ،زبان ہماری تہذیب کی ترقی میں معاون ہے ۔زبان دنیا میں امن کی پیامبر ہے ۔زبان فکر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے ۔خیالات کو منظم کرنے اور اردگرد کا احساس دلانے میں زبان کردار ادا کرتی ہے۔

تحریری زبان کی صورت بھی اسی وقت وجود میں آئی جب انسان نے اشاروں سے مافی الضمیر کا اظہار کیا۔ جو چیزیں سامنے نظر آتی تھیں ان کی طرف جسمانی عضو سے اشارہ اور جو آنکھ سے اوجھل تھیں ان کی طرف تصاویر اور خاکوں کی مدد سے اشارے کر کے اظہار کیا گیا۔ پھر ان خاکوں کو مستقل سمجھ کر علامتوں کے طور

پر متعارف کروایا گیا۔ آوازوں کیے لیے بھی علامتیں اور نقوش پیدا کی گئے۔ان نقوش نے حروف کی شکل اختیار کی، حروف سے لفظ اور الفاظ سے جملے اور جملوں سے عبارت تشکیل پائی۔اسی طریقہ کار کا نام زبان بنا اور انسان نے تقریر اور تحریر کے ذریعے بات چیت کا آغاز کیا۔

زبان کے الفاظ کے مفاہیم بہت وسیع ہوتے ہیں۔ بول چال میں استعمال کیے گئے اور شعری و ادبی زبان میں استعمال کیے گئے الفاظ اپنے معانی میں مختلف ہوتے ہیں، یہاں علامتی اور اصطلاحی معنی بھی مراد لیے جاتے ہیں۔اشعار میں کی گئی بات سیدھی سادھی نہیں بل کہ الفاظ کا شعری اظہار معانی میں ابہام پیدا کر دیتا ہے ۔لفظ ایک ایسا اشارہ ہے جس کے ادا ہوتے ہی بولنے والے کے ذہن میں وہی خیالات پیدا ہو جاتے ہیں جو عادتا اس کے ذہن میں آتے رہتے ہیں مگر اسی لفظ کو دوسرا سنتا ہے تو اس کے معانی مختلف ہو جاتے ہیں ۔انفرادی طور پر لفظ نامکمل ہوتا ہے جملے کا حصہ بن جانے کے بعد اس کی قدروقیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔یعنی الفاظ کے معانی وسیع بھی ہوتے ہیں اور محدود بھی۔ مضمون کے اعتبار سے الفاظ اپنے معانی ظاہر کرتے ہیں۔ جس لفظ کے مفاہیم زیادہ ہوتے ہیں اس کی زندگی بھی زیادہ ہوتی ہے۔دراصل زبان کا مقصد حالات کی ترجمانی ہے۔زبان جذبات اور حالات کی عکّاس نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے۔مولوی عبدالحق نے کہا:

> ”لفظ میں بڑی قوّت ہے۔ صحیح لفظ صحیح مقام ہر جادو کا اثر رکھتا ہے بعض اوقات اچھے اچھے ادیبوں کو لکھتے وقت صحیح لفظ نہ ملنے پر بڑی الجھن ہوتی ہے۔ایک لفظ آتا ہے وہ اسے رد کر دیتا ہے دوسرا آتا ہے اسے بھی ہٹا دیتا ہے تیسرا آتا ہے وہ بھی پسند نہیں آتا۔ آخر اسی ردوبدل میں جب اسے صحیح لفظ مل جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے جیسے گھٹا میں چاند نکل آیا جو اس گر سے واقف نہیں اور صحیح لفظ کی قوت کو نہیں مانتے وہ اپنا مطلب اینچ پینچ اور ہیر پھیر سے کئی جملوں میں ادا کرتے ہیں پھر بھی اس سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو صحیح لفظ صحیح مقام پر اپنی جادہ بیانی سے پیدا کرتا ہے۔“[۱۰]

حروف مل کر لفظ بن جائیں تو ان میں معانی داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی سے زبان کی ابتدا ہوتی ہے۔ لفظ کا تعلق آواز اور معانی سے ہوتا ہے۔ ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ زبان کی ایک شکل تقریری ہوتی ہے اور ایک تحریری۔ آواز تحریر سے مقدّم ہے۔ پہلے آواز پیدا ہوئی، پھر اس کو لکھنے کا رواج ہوا تا کہ محفوظ کیا جا سکے۔ لفظ سے آگاہی ہونا ضروری ہے۔ لفظ کے بارے میں جس حد تک علم ہو گا تحریر بھی ویسی ہی ہو گی۔

اردو زبان کی خوبی اس کی ساخت اور وسیع دامنی ہے کہ یہ ایک مخلوط زبان ہے، اس کے مزاج میں شگفتگی ہے ،اس کی الگ پہچان ہے، غیر زبانوں کے الفاظ اس طرح اردو کا حصہ بن چکے ہیں کہ ان کا املا، تلفظ اور استعمال بدل چکا ہے۔ پاکستان میں اردو زبان کی حفاظت کے لیے بچوں میں اردو انشا پردازی کو فروغ دینا بہت ضروری ہے۔ پاکستان میں اردو زبان کے مستقبل کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اردو زبان کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اردو کے روشن مستقبل سے بے پروا ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ ایسے ہیں جو اردو کے مستقبل سے مایوس نہیں اور مسلسل ایسی جدوجہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں کہ اردو بول چال اور تحریر پر محنت کی جائے اور آنے والی نسلوں میں اردو انشا کو ترقی دی جائے۔ زبان اپنے ماحول کی وجہ سے ہی زندہ رہتی ہے۔ بچپن میں زبان سیکھنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے ۔اردو پاکستان کی قومی زبان ہے، جب بچے کا اردو سے ناتا کمزور ہوتا ہے تو اس کی ذہنی نشو و نما بھی متاثر ہوتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں پلنے والا بچہ اردو میں ہی اپنے احساسات، خیالات اور جذبات کو بیان کر سکتا ہے ۔جس زبان کے الفاظ اس نے ماں کے منہ سے بچپن سے سنے ہیں اسی زبان میں کمال حاصل کی جا سکتا ہے۔

۴: زبان اور سیاست

سیاست اور طاقت لازم و ملزوم ہیں۔ انفرادی طور پر خوشگوار زندگی کے لیے، خوراک کے حصول کے لیے، بقا کے لیے اور چیزوں کی فراہمی کے لیے ذاتی یا مالی طاقت درکار ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک سیاست دان کے لیے طاقت ہی حکمرانی کرنے کا سب سے مضبوط وسیلہ ہوتی ہے۔ ایک طاقت ور حکمران ہی اپنی قوم کی زندگیوں کو

بہتر بنا سکتا ہے۔ طاقت خوشیوں کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ بس یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ طاقت کا حصول ضوابط کے تحت ہونا چاہیے، ورنہ طاقت بہت سی خوشیوں کے خاتمے کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

زبان کا طاقت سے گہرا تعلق ہے۔ حکومت، مقننہ، تعلیم اور کاروبار وغیرہ میں جو زبان استعمال ہوتی ہے، اس زبان کا جاننے والا حسبِ معلومات رتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ ہر وہ زبان طاقت کی زبان ہوتی ہے جو زیادہ سے زیادہ شعبوں میں استعمال ہو۔ پاکستان میں انگریزی زبان نے گویا طاقت کی زبان کا درجہ حاصل کر رکھا ہے۔ ہر انگریزی جاننے والا طاقت ور حلقوں کا کسی نہ کسی طور پر حصہ ہوتا ہے۔ طاقت کے حصول کے لیے ہمیشہ زبان کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ غیر زبان کی لغات مرتّب کرنا، زبان کی بات چیت اور تحریر کے اصول وضع کرنا ، یہ سب لسانی منصوبہ بندی کہلاتی ہے جس میں طاقت کے حصول کے لیے زبان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حکومت اور طاقت کی مدد سے اپنی زبان کو دوسری زبانوں سے بہتر قرار دینا، نو آبادیاتی دور کی یادگار ہے۔ نو آبادیاتی دور میں ایسی حکمت عملیاں اختیار کی گئی کہ انگریزی زبان سکھانے کے تمام اہتمام کیے گئے۔ تعلیم اور صحافت کی زبان انگریزی بنا دی گئی۔ اردو میں لفظی تبدیلیاں کی گئی اور اردو الفاظ کے تصوّرات کو انگریزی تصوّرات کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ زبان یا الفاظ میں کی گئی تبدیلیاں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں۔ مگر نو آبادیات اسے سیاست سے جوڑتا ہے۔ انگریزوں کی طرف سے اردو زبان کے لیے کی گئی لسانی منصوبہ بندی کا تعلق الفاظ، رسم الخط اور زبان سے ہی نہیں بل کہ اس سوچ سے ہے جس کو بدل کر انگریزی زبان کو بہترین اور اردو کو کم تر دکھایا گیا۔ بقول ڈاکٹر طارق رحمان:

> ''آج زبانوں کے مرنے کی سب سے بڑی وجہ عالمگیریت اور جدیدیت ہے ۔جدیدیت کے باعث لوگ متحرک و تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور اپنے آبائی قصبوں اور پیشوں کو چھوڑ کر شہروں کو پر ہجوم بنا دیتے ہیں۔ شہری ملازمتیں انھیں مجبور کرتی ہیں کہ کہ وہ اپنی مادری زبان چھوڑ کر قومی یا دوسری طاقتور غالب زبانوں کو استعمال کریں اور استعمال کرنا سیکھیں۔ چونکہ سکول یہی زبانیں سکھاتے ہیں اور میڈیا انھیں

زبانوں کو استعمال کرتا ہوتا ہے اس لیے انھیں اپنے آپ کو نئی زبان کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔"(۱۱)

پاکستان میں اردو اور انگریزی دو بڑی زبانیں ہیں۔ کچھ طبقہ انگریزی زبان کا اردو پر دباؤ ڈالتا رہتا ہے۔ اردو سے محبت کرنے والے، اردو کی بقا کے لیے ہمیشہ اقدامات کرتے رہتے ہیں۔ ابتدائی تعلیمی اداروں میں اردو تعلیم و تدریس میں تحقیق جاری رہتی ہے۔ مگر انگریزی کے دلدادہ، بچوں کو ابتدائی جماعت سے ہی انگریزی اس لیے سکھاتے ہیں کہ وہ پہلے انگریزی میں مہارت حاصل کر لیں کیوں کہ اردو زبان کی حیثیت دوسری ہے، وہ اسے جب چاہیں سیکھ لیں گے۔ جب کہ زبان کے ماہرین اس خیال کو غلط سمجھتے ہیں۔ بچے کے لیے اس کی 'پہلی زبان' زیادہ اہم ہے جس میں زیادہ بہتر اور جلد سیکھا جا سکتا ہے۔ انگریزی زبان سے آغاز کرنے والے بچے اردو میں رغبت نہیں دکھاتے۔ حد درجہ انگریزی کی اہمیت کا الاپ سننے والے طلبہ اپنی زبان اردو سے حقارت کا رویہ رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں انگریزی زبان اردو کی قیمت پر پلتی ہے۔ زبانوں کی درجہ بندی سے اردو زبان کا نقصان ہو رہا ہے۔ پاکستان میں انگریزی سیکھنے کے مواقع تمام بچوں کے لیے یکساں نہیں ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں کچھ بچے ابتدا سے ہی انگریزی سیکھ جانے کی وجہ سے بہتر معاشی مقام حاصل کر لیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی بچے جو اردو میڈیم میں پڑھتے ہیں، پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس طرح ایک طبقاتی تقسیم جنم لیتی ہے۔ یہ میرٹ نہیں ہے بل کہ ایک طبقاتی برتری ہے جس پر اعلیٰ طبقے کا قبضہ ہے۔ ایک زبان کے الفاظ کا دوسری زبان میں استعمال مستعاریت کا عمل ہوتا ہے۔ انگریزی زبان سے بھی کئی الفاظ اردو کا حصہ ہیں۔ یہاں مستعاریت کے عمل کی مخالفت نہیں ہے۔ زبان میں بقدرِ ضرورت دوسری زبانوں سے ہم آہنگی کا امکان ہوتا ہے۔ زبانوں کا یہ میل جول دراصل ترقی یہ کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ بقول علی رفاد فتیحی:

"اردو زبان میں پولنگ، ڈپلومیسی، ایٹمی پروگرام، سائٹ جیسے الفاظ کے استعمال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو زبان میں مستعاریت کا چلن بڑھتا جا رہا ہے۔ اردو

روزناموں کی سرخیوں کا تجزیاتی مطالعہ واضح کر دیتا ہے کہ ان سرخیوں میں دو قسم کے عناصر ہیں ایک وہ جو اردو زبان کے ماخذ سے ملے ہیں اور دوسرے وہ جو موروثی ورثہ نہیں بلکہ انگریزی سے لیے گئے ہیں۔ دوسری زبان سے مستعار لینے کے اس عمل کو مستعاریت کہتے ہیں ۔مستعاریت کے اس عمل میں دینے والی دائن (Lender) اور لینے والی کو حصولی (Borrower) کہا جاتا ہے۔ جو لفظ لیا جاتا ہے اس کو نمونہ کہتے ہیں۔"(۱۲)

اردو زبان میں اخذ و قبول کی بڑی گنجائش موجود ہے۔ اردو کی تعمیر و تشکیل میں انگریزی زبان کے کئی الفاظ شامل ہیں۔ جو الفاظ اردو میں موجود ہیں، اردو جملے بناتے ہوئے خواہ مخواہ انگریزی الفاظ کا استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ چھوٹے اردو انشا میں اس وقت رکاوٹ محسوس کرتے ہیں جب ان کے پاس اردو کی بجائے انگریزی کے الفاظ ذہن میں ہوں اور اردو جملہ لکھنا چاہتے ہوں۔

۵: ''دو جذبیت '' کیا ہے ؟

پاکستان ایک ایسی تاریخ کا حامل ہے کہ جس کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں ہے۔ ایک طرف جغرافیائی تاریخ ہے جس کا سرا پانچ ہزار سال پرانی تہذیب موہنجوداڑو، بدھ مت کے آثار اور ٹیکسلا اور گندھارا کی تہذیب سے ملتے ہیں۔ دوسری طرف وہ تاریخ ہے جس کا تعلق مسلمانوں کی اس حکومت سے ہے جو ایک ہزار سال تک برصغیر میں قائم رہی۔ بعد ازاں انگریز حکومت کا دو سو برس کا عرصہ بھی شامل ہے۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں قائم کردہ علمی و تہذیبی مراکز چوں کہ اب بھی ہندوستان میں موجود ہیں مگر محض نفرت کے جذبے کے تحت ان مراکز سے ہمارے مراسم نہیں ہیں یعنی ان کے ساتھ ہمارا تہذیبی و ثقافتی تعلق ٹوٹ چکا ہے۔ اب ہمارے پاس اپنی ثقافت کے وہی آثار موجود ہیں جو ہماری جغرافیائی حدود میں موجود ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد کوشش یہ کی گئی کہ اس نئے ملک کی تہذیبی قدامت اور تاریخی ورثے کو عہدِ قدیم سے ملا کر یہ متعارف کروایا جائے کہ اگرچہ پاکستان ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آیا ہے لیکن یہ ملک بھی ایک عظیم ترین

تہذیبوں کا گہوارا ہے۔ ہم پاکستانی قوم اس ''ہند و مسلم ثقافت'' کے وارث ہیں جو مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ حکومت میں پروان چڑھی، جس میں عربوں، ایرانوں، افغانوں، ترکمانوں اور مغلوں کا مزاج اور وہ روح شامل ہے جس نے برصغیر کی روح کو اپنے اندر سمو کر ایسا نمونہ پیش کیا جس کی وجہ سے آج بھی یہ خطّہ زندہ و جاوید ہے۔ ہم جو کچھ ہیں، اسی تہذیب کا نتیجہ ہیں۔ یہ وہ تہذیب ہے جس کی تخلیقی آبیاری ایک ہزار سال تک مسلمان کرتے رہے ہیں۔ اس آبیاری سے لفظوں کے پھول ہمارے منہ سے جھڑتے رہے۔ آج بھی ہمارا رہن سہن، آدابِ معاشرت، لباس، کھانے، رسوم و رواج، مصوّری، موسیقی، شاعری، مزاج کی بنیاد یہی تہذیب ہے۔ ایک الگ ریاست کا قیام بھی اسی مزاج کی انفرادیت کو زندہ باقی رکھنے کا شعوری عمل تھا۔ اب یہ ہمارا قومی فرض ہے کہ ہم اس ورثے کا شعور آنے والی نسلوں تک پہنچاتے رہیں۔

مسلمانوں کے اس منفرد کلچر میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل چیز زبان ہے۔ ایک ہزار سال تک باہم ہندوٴ کے ساتھ رہنے کے باوجود مسلمانوں کی اپنی تہذیب کی حفاظت کرنے والی شے زبان تھی کہ جس کی وجہ سے یہ امتیاز قائم رہا۔ ہماری زبان ہماری یک جہتی، روحانی اتحاد اور قومی تصوّر کا سرچشمہ ہے۔ اسی چشمے سے ہماری موسیقی نے جنم لیا۔ اسی کلچر سے نقّاشی اور خطّاطی جیسے فن ہمارے احساسِ جمال کو نئی روح بخش رہے ہیں۔ اسی تہذیبی ورثے کے مزاج کہ وجہ سے پاکستان کا ایک ایک باشندہ نفسیاتی طور پر یک جہتی کا خواہش مند ہے۔ یک جہتی اور یکساں طرزِ فکر کا اشتراک قومی کلچر کی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ زبان کے مٹتے خدوخال اس اتحاد کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ یکجہتی سے مراد یہ ہے کہ پاکستان کے تمام خطوں میں بسنے والے ذہنی، روحانی اور مادی طور پر ایک دوسرے میں ایسے گھل مل جائیں کہ ایک دوسرے کے بغیر رہنے کا تصور بھی ذہن میں نہ لا سکیں۔

دوجذبیت کے باب میں اردو زبان کے ثقافتی پہلو کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ثقافتی تاریخ میں کسی بھی قوم کی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی، اخلاقی اور ذہنی ترقی بھی شامل ہے۔ اسی تفریق کے سبب کوئی بھی قوم دوسری قوم سے زیادہ شائستہ، مہذب اور ذہنی بلندی پر تصوّر کی جاتی ہے۔ زبان کے اس ثقافتی پہلو میں

موسیقی، شاعری، ادب اور تمام فنونِ لطیفہ شامل ہیں۔ انھیں کی وجہ سے انسان کی حسِ جمالیات کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے تمام کارناموں کی طرح یہ ثقافتی کارنامے بھی کسی قوم کے ذہن، سیرت، مزاج، اخلاق اور ذوقِ طبع کا اندازہ لگانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قوم ثقافتی اعتبار سے جتنی زیادہ مضبوط ہوگی اسی قدر مہذب خیال کی جائے گی۔ پاکستانی قوم بھی غیر معمولی ثقافتی ورثہ کی حامل ہے۔ بس اس میں اہمیت کی بات یہ ہے کہ اس ورثہ میں اردو زبان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اردو زبان کا مطالعہ کیے بغیر پاکستانی ثقافتی ورثہ کی حفاظت کی بات نہیں کی جاسکتی۔ ادب و شاعری، موسیقی و مصوّری اور علم و فن یعنی ہر شعبے کی ترقی کے لیے اردو سے مدد لیناضروری ہے۔ دنیا کی قدیم زبانوں کے مقابلے میں اردو زبان کی عمر اگرچہ کم ہے مگر اس میں پایا جانے والا ادبی سرمایہ دیگر زبانوں کے مقابلے میں کافی بھاری ہے۔

پاکستانی معاشرتی زندگی میں اردو زبان کی مداخلت اس حد تک ہے کہ ہم اسے ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں کرسکتے۔ سندھی، بلوچی، پنجابی اور پشتو سب زبانیں اپنے اپنے علاقوں تک محدود ہیں۔ مگر اردو زبان کا آفاقی پہلو یہ ہے کہ یہ پاکستان کے ہر علاقے اور صوبے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ کوئی خطہ ایسا نہیں کہ جہاں اس زبان کے سمجھنے والے موجود نہ ہوں۔ یہی زبان ہمارے باہمی رابطے کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ ملوں، کارخانوں، دفاتر، صنعت، حرفت، تجارت اور عدالت تک میں اس کی مداخلت نظر آتی ہے۔ شہر ہو، دیہات ہو، تعلیمی ادارہ ہو، خانقاہ ہو، بازار ہو یا سینما ہو ہر جگہ اسی زبان کا عمل دخل ہے۔ شعر و ادب کی محفلیں ہوں یا دوستوں کی آزادانہ گفتگو، لطیفے سنائے جارہے ہوں یا سنجیدہ گفتگو ہو، زبان اردو ہی استعمال کی جاتی ہے۔

دوجذبیّت سے مراد ایک ہی وقت میں دو جذبوں کا پایا جانا ہے۔ زبان میں دوجذبیّت یہ ہے کہ انگریزی زبان کے حوالے سے طلب اور تردید کے متصادم جذبات جو کسی بھی پاکستانی کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی انسان میں کسی چیز کے بارے میں دو مختلف جذبات کا پایا جانا دوجذبیت ہے۔ مابعد نو آبادیاتی مطالعات میں یہ اصطلاح بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر نے اس کا ترجمہ "دوجذبیّت" کیا ہے۔ سادہ لفظوں میں دو جذبوں کا ایک وقت میں پایا جانا "دوجذبیّت" ہے۔ روزمرہ زندگی میں ہمیں کئی

چیزوں کے بارے میں انفرادی سطح پر اچھے برے جذبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک ہی وقت میں کسی شخص، جگہ یا چیز کے بارے میں انفرادی سے اجتماعی سطح تک دو مختلف اور متضاد جذبات کا پایا جانا / پیدا ہونا / محسوس کرنا یا ہونا'' دو جذبیّت '' کہلاتا ہے۔ ہم ایک چیز کے بارے میں پسند / اچھے / مثبت یا ناپسند / برے / منفی دونوں جذبات ایک ہی وقت میں اپنی ذات میں محسوس کرتے ہیں۔ یہ شعوری بھی ہوتے ہیں اور لاشعوری بھی ،ایسی کیفیت'' دوجذبی'' کہلاتی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیئر نے اپنی کتاب ''لسانیات اور تنقید'' میں لکھا ہے کہ:

> '' نو آبادکار کی تشکیل دی گئی دنیا میں، نو آبادیاتی باشندوں کے لیے، بہ قول البرٹ میمی، دو صورتیں ہوتی ہیں: انجذاب اور بغاوت۔ نو آبادیاتی باشندہ یا تو نو آبادکار جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے، اس کی شخصیّت، ثقافت، نظامَ فکر، اقداری نظام کو مکمل طور پر جذب کرنے کی سعی کرتا ہے، یا پھر اس کے خلاف بغاوت کرتا اور اپنی بازیافت کے عمل سے گزرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی نو آبادیاتی باشندے کا اپنا فیصلہ نہیں ہوتا۔ یہ نو آبادیاتی صورتِ حال ہے جو کبھی ایک اور کبھی دوسرے کے انتخاب کا موقع پیدا کرتی ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ممکن ہوتی ہے، جو دونوں صورتوں کا امتزاج ہوتی ہے۔ نو آبادکار کی ثقافت کو جذب بھی کیا جاتا ہے اور اپنی ثقافتی شناخت کو قائم بھی رکھا جاتا ہے۔ ''(۱۳)

اردو پاکستانی کی قومی زبان کی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ پاکستانی آبادی کے ایک بڑے حصے کی 'پہلی زبان' بھی ہے۔ مادری زبان بچے کی پہلی زبان ہوتی ہے۔ جسے وہ اپنی ماں سے سیکھتا ہے اور اس زبان کے ذریعے سے وہ اپنے ماحول سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اسی زبان کی مدد سے وہ خارجی دنیا سے بھی واقفیت حاصل کرتا ہے ۔

ناصر عباس نیئر نے لکھا ہے کہ:

"دراصل جب مخصوص تشخّص کے تصوّر کو اس طور متعارف کروایا جائے کہ شناخت کا بحران جنم لے لے اور اس بحران سے نکلنے کا راستہ محدود تصوّر کے تشخص کے قبول کرنے کے علاوہ نظر نہ آتا ہو تو اس کے ضمن میں کشش و گریز کے باہم متصادم جذبات جنم لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ دیسی باشندے اپنی ہی تاریخ، ثقافت، مذہب، زبان اور ادبیات کے ضمن میں دو جذبی رجحان (ambivalence) کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نو آبادکار اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو جاتا ہے۔"[۱۴]

دوجذبیّت کے اس ماحول میں استعمار زدہ اپنی ثقافت کو نامکمل سمجھتا ہے اسے اپنی شناخت سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ اپنی ثقافت سے دوری کے سبب وہ استعمار کار کی ثقافت کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔ یہی وہ نفسیاتی کیفیت ہے کہ جس میں یورپی ثقافت کی اہمیت اور عظمت کے احساسات اس کے اندر پیدا کیے جاتے ہیں اور یورپی ثقافت وادب کا اظہار انگریزی زبان کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

٦: بول چال کی زبان میں دوجذبیّت کے اثرات

برصغیر میں مسلمانوں کے آنے سے فارسی زبان رائج ہوئی۔ چند سال اکٹھا رہنے، ایک ہی زبان بولنے اور ایک ہی حکومت کے ماتحت زندگی گزارنے سے عوام ایک وحدت بن جاتے ہیں مگر برصغیر میں یہ صورتحال پیدا نہ ہو سکی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد و یک جہتی پیدا نہ ہو سکی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں مسمانوں نے ہمیشہ ہندوؤں کا خیال رکھا۔ کوئی مسلمان بادشاہ ایسا نہیں تھا جس کی فوج میں، دربار میں یا مصاحبوں میں ہندو لوگ شامل نہیں تھے۔ سرکاری دفاتر میں بے شمار چھوٹے بڑے عہدوں پر ہندو ملازمین بھرتی تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر اور شاہ جہاں کی فوج میں ہندو سپہ سالار بھی موجود تھے۔ چوں کہ ابتدا میں تعلیم کا کام صرف ہندو برہمنوں کے پاس تھا اس لیے زیادہ تر (عام) ہندو تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ مسلمانوں کے آنے سے ہندوؤں کو بھی تعلیم کا موقع ملنا شروع ہوا۔ اس کے باوجود بھی ہندو قوم مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہ ہو سکی

۔ مسلمان بادشاہوں کے درباری ہندو بھی مسلمانوں کے خیر خواہ ثابت نہ ہو سکے۔ اکبر بادشاہ نے ہندوؤں کی بہت دلجوئی کی، ان کو عہدے دیے، بعض راجپوت راجاؤں کو شہزادوں کا درجہ دیا، ان کے گھروں میں شادیاں کی اور ان پر عاید مذہبی پابندیاں ختم کیں۔ مگر ہندو اور مسلمان کی تفریق نہ مٹی اور نہ مٹ سکی۔ ہندو اور مسلمانوں کے اس تناظر کو سمجھنے کے بعد ہم بہ آسانی جان سکتے ہیں کہ برصغیر میں ہندوؤں کا جھکاؤ مسلمانوں کی بجائے انگریزوں کی طرف زیادہ تھا۔ انگریزوں کی نوازشات بھی مسلمانوں کی بجائے ہندو قوم پر زیادہ تھیں ۔ انگریزی سامراج کا نشانہ نہ صرف مسلمان یا ہندو قوم تھا بل کہ ان کا مقصد برصغیر پر استعماریت کا غلبہ تھا۔ جس میں انھوں نے ہندو، مسلم تعلقات کو ممد و معاون بنا کر علاقائی زبان کے خاتمے اور اپنی زبان کی ترویج کے منصوبے بنائے۔ ہندو قوم کی کمزور انفرادی شناخت کی وجہ سے انھیں وہ فرق نہ پڑ سکا جو ایک اسلامی تاریخ کے حامل معاشرے کے لیے ناقابل قبول ہوتا ہے۔ مسلمان اور بطورِ خاص پاکستانی قوم انگریز کی متابعت اور ان کی زبان کو اپنانے میں بحثیت قوم بہت سے تحفظات رکھتی ہے۔ دو جذبیّت کی حامل زبان کے استعمال سے اردو ادب و ثقافت کے خاتمے کا باب کھلتا محسوس ہوتا ہے۔

دو جذبی سوچ میں، انگریزی ادب و ثقافت کو صرف یورپی ادب کا ترجمان نہیں، بل کہ مثالی اوصاف، بہترین اقدار اور ارفع تصوّرات کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ اس سوچ کا حامل فرد اپنے تشخص سے متنفر اور یورپی ادب کے قریب ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہیں سے مقامی ادب، ثقافت اور زبان کی ترویج میں ایک خلا پیدا ہوتا نظر آتا ہے۔ اردو زبان اپنی جامعیت کے اعتبار سے دیگر زبانوں میں اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس زبان کا دامن وسیع ہے۔ دیگر زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سمونے کی زیادہ گنجائش اس میں موجود ہے۔ مختلف زبانوں کے الفاظ کو باہم ملا کر بھی اردو میں ادائے مطلب ہو جاتا ہے۔ اردو زبان کی اس وسعت کا منفی استعمال بول چال کی زبان میں کیا جاتا ہے۔ چوں کہ بول چال کی زبان میں زیادہ توجہ مافی الضمیر کے اظہار اور سامع کی دل چسپی کی طرف مرکوز ہوتی ہے چناں چہ گفتگو میں استعمال ہونے والے دیگر زبانوں کے الفاظ کی طرف دھیان نہیں رہتا اور اردو زبان کے اپنے الفاظ نظر انداز ہو جاتے ہیں۔

بول چال میں دو جذبیّت کے حامل الفاظ کے کثیر استعمال کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اپنی زبان پسِ پشت چلی جاتی ہے۔ گفتگو میں جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں بعد ازاں وہی الفاظ مستقل ذہن نشین بھی ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ ادائے مطلب میں کوئی دشواری اور کمی محسوس نہیں ہوتی، چناں چہ اپنی زبان کے الفاظ کا ذہن سے محو ہو جانا، عیب محسوس نہیں کیا جاتا۔

بول چال کی دو جذبی زبان کا اثر بچوں میں، زیادہ خطرناک ہے کیوں کہ بچے عمر کے ابتدائی حصے میں ذہنی نشو و نما کے جس مرحلے سے گزر رہے ہوتے ہیں اس میں تعلمّ کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ ہر لمحے نئے نئے الفاظ کا سننا، سیکھنا اور بولنا شامل ہوتا ہے۔ بچوں کے اذہان میں محفوظ ہونے والے الفاظ ہی ان کی بول چال کا حصہ بنتے ہیں۔ ہماری اردو بول چال میں بھی انگریزی الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ گھروں میں بھی بچوں کے ساتھ گفتگو کے لیے والدین انگریزی الفاظ اور لہجہ اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچے اردو کے الفاظ سے شناسا نہیں ہوتے اور بعد ازاں وہ اردو تحریر میں دقّت محسوس کرتے ہیں۔

۷: دو جذبیت اور کثیر اللسانیت میں فرق

کثیر اللسانیت سے مراد ایک سے زیادہ زبانوں پر عبور حاصل کرنا ہے۔ کثیر اللسانیت کو سمجھنا ضروری ہے کہ پاکستانی معاشرے میں والدین اپنے بچے میں دو زبانوں کے استعمال کی بیک وقت مہارت پیدا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، اگرچہ دو زبانوں کے سیکھنے کا عمل ایک خوبی ہے۔ اس میں بچے کو ایک سے زیادہ زبانیں سیکھائی جاتی ہیں۔ اس سے ان کی لسانی نشو و نما زیادہ بہتر ہوتی ہے اور بات چیت میں زیادہ مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں زیادہ بہتر کارکردگی دکھا سکتے ہیں۔ دو یا زیادہ زبانوں کے سیکھنے کا عمل ساری زندگی جاری رہتا ہے۔ پیدائش سے لے کر بعد تک، ساری عمر، کسی بھی ماحول میں، سکول میں، گھر میں، ڈے کیئر میں یا معاشرے میں یہ عمل جاری رہتا ہے۔ مگر دو زبانوں میں مہارت حاصل کرنے میں یہ بچے بھی اسی ایک زبان

سیکھنے والے بچوں کے ہم قدم ہی ہوتے ہیں۔ بچے کے لیے پیدائش کے ساتھ ہی زبانوں کے سیکھنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جب والدین دو زبانیں بولتے ہیں، تو بچہ ان دو زبانوں کو سن کے اپنے دماغ کو انھیں سیکھنے کے لیے تیار کرتا ہے۔ بچہ زبان کو صرف بولتے ہوئے سنتا ہے اور سیکھتا ہے۔ اس کی مشق یہی ہے کہ وہ کثرت سے زبانوں کو سنے۔ زبان کے سیکھنے میں بچوں کو روزمرّہ سرگرمیوں میں زبان کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً جب وہ کپڑے پہن رہے ہوں، کھیل رہے ہوں، پارک میں جا رہے ہوں یا گھر کے افراد کے ساتھ فالتو وقت گزار رہے ہوں۔ مختصر یہ کہ کثیر اللسانیت میں دو یا دو سے زیادہ زبانیں بیک وقت پوری پوری سیکھی جاتی ہیں۔

دوجذبیت سے مراد دو جذبوں کا ایک ہی وقت میں پایا جانا ہے۔ زبان کے اعتبار سے دوجذبیت ایک ایسا عمل ہے کہ جس میں بچے کے ذہن میں آنے والا لفظ اس کی اپنی زبان اردو کے بجائے انگریزی کا ہوتا ہے، چناں چہ اسے اردو انشا پردازی میں قلتِ الفاظ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب بچہ مافی الضمیر کو اردو الفاظ میں لکھنا چاہتا ہے تو اس کے ذخیرہ الفاظ میں موجود انگریزی کے الفاظ رکاوٹ بن جاتے ہیں، گھر اور سکول میں انگریزی زبان کے استعمال کی کثرت کی وجہ سے اس کے ذہن میں صرف انگریزی لفظ موجود ہیں۔ اردو الفاظ کا ذخیرہ محدود ہے، جس کی وجہ سے اردو انشا پردازی میں پائی جانے والی یہ تحدید، بعد ازاں اردو افکار و ادب کی تخلیق میں بھی رکاوٹ کا سبب بنتی ہے۔

پہلی زبان اردو کے بعد یہ ضروری نہیں کہ بچہ دوسری زبان کے قریب نہ جائے۔ بل کہ دوسری زبان کو سیکھنا ایک اور مہارت کا نام ہے۔ بچہ اپنی تعلیم کے ابتدائی ایام میں اس قابل نہیں ہوتا کہ دو زبانوں کو علاحدہ علاحدہ یاد رکھ سکے اور وہ بعض ضرورت اور تقاضوں کے تحت انگریزی زبان کو بھی استعمال میں لا سکتا ہے۔ بس یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس کی حیثیت ثانوی رہے۔ پاکستان میں بہت سی زبانیں سمجھنے والے موجود ہیں۔ اس سے علوم کے حصول میں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ مگر سوچ کی زبان اردو ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ بچے کی ابتدائی عمر میں ثانوی زبان 'فکری زبان' نہیں ہوتی۔ عمر کے بڑھنے کے بعد کسی بھی دوسری زبان میں

مہارت حاصل کر کے سوچا بھی جا سکتا ہے، ادب بھی تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ مگر بچوں کے لیے اردو زبان کو پہلی زبان سمجھ کر سیکھنا ضروری ہے تاکہ اس میں رغبت، میلان اور شوق پیدا ہو۔ اردو میں ہی فکر ترقی پائے تاکہ اردو عملی زبان بنے، بچہ اردو زبان کا امین بنے، اور اسی میں انشاپردازی کرے۔

اردو زبان سکھانے کے لیے بچے کے ساتھ سکول اور گھر میں خالص اردو زبان بولنا ضروری ہے۔ والدین اور استاد بچے کے لیے سب سے بڑا حوالہ ہیں، جو زبان استعمال کریں گے، بچے بھی اسی کو اختیار کریں گے۔ بچے کا دو زبانوں کو سیکھنا مسئلے کا باعث نہیں ہے۔ اگر وہ دو زبانوں کو علاحدہ علاحدہ استعمال کر سکتا ہو۔ لیکن پاکستانی معاشرے میں دو یا دو سے زیادہ زبانوں کے جاننے والے گھرانے اور بچے بہت ہی کم ہیں۔ دو زبانوں کے سیکھانے کے شوق میں بچے دو جذبیت کی زبان کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اپنی زبان (اردو) سے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ بچے قومی زبان پر دسترس کمزور ہونے سے قومی تشخص بھی کھو بیٹھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ Bill Ashcroft, Griffith, Tiffin, (Editors), The Post Colonial Studies Reader, London, Routledge, 1995, p.117

۲۔ Daniel Butt, Colonialism and Post colonialism, Hugh Lafollette, (ed), The International Encyclopedia of Ethics, Wiley Blackwell, 2013, p 2

۳۔ عابد حسین، ڈاکٹر، قومی تہذیب کا مسئلہ، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، ۱۹۵۵ء، ص ۱۵۹

۴۔ ناصر عباس نیئر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۸۴

۵۔ ناصر عباس نیئر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، ص۸۶

۶۔ ایضاً، ص۸۸

۷۔ ایضاً، ص۸۸

۸۔ سید احمد، صاحب، دہلوی، علم اللسان، محبوب المطابع، دہلی، ۱۸۹۵ء، ص۳۸

۹۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، زبان اور اردو زبان، قمر کتاب گھر، کراچی، ۱۹۸۰ء، ص۱۱

۱۰۔ عبدالحق، مولوی، آسان اردو، مشمولہ نقش، ۱۹۶۱، کراچی، ص۲۱

۱۱۔ طارق رحمان، ڈاکٹر، لسانیات ایک تعارف، مترجمہ اصغر بشیر، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۷ء ص۲۰۹

۱۲۔ علی رفاد، فتیحی، لفظ سازی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دھلی، ۲۰۱۳ء، ص۷۹

۱۳۔ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص۲۸

۱۴۔ ناصر عباس نیئر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص۶۵

باب دوم:

دو جذبیت کی حامل زبان کا سماجی تناظر

انسان اپنی ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لیے دوسروں کے ساتھ ذہنی اور جذباتی تعلقات استوار کرتا ہے۔اسی سے سماج میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور اتحاد کا احساس ہوتا ہے۔زبان ان رابطوں کا موثر وسیلہ ہوتی ہے۔ نجی اور سماجی ضرورتوں نے انسان سے زبان تخلیق کروائی اور زبان ہی سماجی ترقی کا وسیلہ بنی۔ نسلوں کے تجربات اسی زبان کے ذریعے سے تقریر اور تحریر کی صورت اگلی نسلوں کو منتقل ہوتے گئے اور زندگیاں نکھرتی گئیں۔ زبان کی تعلیم نے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اپنی اہمیت واضح کی۔ ہر معاشرتی سرگرمی میں زبان دخیل رہی ہے۔گھر اور خاندان کے افراد بھی زبان کے بغیر زندگی نہیں چلا سکتے۔بچہ بھی اپنی زبان کی تشکیل کے سلسلے میں گھر کے افراد کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔گھر کے افراد کی گفتگو اور زبان کے الفاظ ہی اس کی ابتدائی یاداشت کا حصہ بنتے ہیں۔ بچے کا لسانی ارتقا گھر اور ابتدائی طریقہ تدریس سے منسلک ہوتا ہے۔ زبان پہلے سے ترتیب شدہ سماجی عمل نہیں ہے بل کہ بچے کے لیے گھر اور معاشرتی ماحول ہی اس کی پہلی درسگاہ ہوتا ہے۔ بچے کے لیے زبان کا یہ ارتقا گھر سے سماج اور پھر ساری کائنات تک پھیلتا نظر آتا ہے۔کیوں کہ بول چال کا عمل جاری نہ رہے تو سماجی عمل رک جائے گا۔بظاہر تو سماج مختلف گروہوں کا مجموعہ نظر آتا ہے لیکن اصل میں ایک اجتماعی نفسیات کا حامل گھر ہے جس میں زبان کی مدد سے تازگی بر قرار رہتی ہے۔اسی لیے لسانی رویہ بہت اہم ہوتا ہے ۔زبان سماجی شعور، ذہنی رابطوں اور جذباتی وابستگی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ہماری قومی زبان اردو کا مقصد اور منصب بھی سماجی ہے۔ایک ایسا سماجی سنگم جہاں دوسرے تمام سماجی ادارے قانون، تعلیم، سیاست، اخلاق اور مذہب اکٹھے ہوتے ہیں۔ سماج کا ہر شعبہ زبان کا محتاج ہوتا ہے۔ مذہب کی تبلیغ ہو، سیاست کے داؤ پیچ ہوں یا قانونی پیچیدگیاں، ہر جگہ زبان کا ہی سہارا لیا جاتا ہے۔زبان کی ترقی عام افراد کی بول چال سے ہی عبارت ہوتی ہے

۔زبان کا قومیت سے گہرا تعلق ہے ۔زبان اور قومیت لازم و ملزوم ہیں۔ قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود، تہذیب، زبان اور نسل پر قائم ہوتی ہے ۔زبان قومی تشخص کا وسیلہ ہوتی ہے۔ قومیت کے اظہار کا وسیلہ بھی زبان ہی ہوا کرتی ہے۔ قومیت، تہذیب، نسل، مذہب اور زبان کے نام پر اقوامِ عالم کو تقسیم بھی کیا جاتا رہا ہے ۔زبان کے نام پر انسانوں کے ساتھ بہت کچھ ہو تا رہا ہے۔ پاکستانی قوم کی قومی اور پہلی زبان اردو ہے۔ اسی کے ذریعے سے ایک پاکستانی بچہ سیکھنا شروع کرتا ہے اور بعد ازاں سکھاتا بھی ہے۔ اپنی زبان سے محبت ہو جائے تو زبان گفتگو کا وسیلہ ہی نہیں رہتی بل کہ ایک اہم مقصد بن جاتی ہے۔ زبان خودداری اور حریّت کی علامت بن جاتی ہے۔ تحریر اور ثقافت کو سمجھنے کے لیے درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہوں:

> ""مشہور ماہرِ عمرانیات ایف۔ آر کوویل کلچر کے تمام تصوّرات اور نظریات کے تجزیے اور تنقیدی جائزے کے بعد اس کی تعریف یوں کرتا ہے ۔ کلچر کو ان خصوصیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔، جو روایت کے ذریعے سے یا تحریر اور اظہار کے دوسرے وسیلوں سے منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور صداقت، حسن اور خیر کی تحسین اور ان کے حصول کی راہ ہموار کر کے زندگی کو زیادہ بامعنی اور وقیع بناتی ہیں۔ ""(۱)

ہر ثقافت میں کچھ ثقافتی خاصے معاشرے کے تمام ارکان میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں زبان، قوانین، روایات اور رسومات شامل ہیں جن کی وجہ سے ہماری زندگیاں معمول پاتی ہیں۔ زبان کے وہ الفاظ جن کے استعمال سے ہم مافی الضمیر کا بیان کرتے ہیں ، ان کے استعمال میں سماج کے تمام افراد شامل ہوتے ہیں ۔انسانوں کے معاشرتی کردار کا تعلق ان کی ثقافت سے ہوتا ہے۔ فرد کا ہر عمل اس کے سماج کی ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔دراصل سماجی طبقہ ایک ایسے گروہ کا نام ہے کہ جو مخصوص طرزِ زندگی، رسم و رواج، رجحانات اور میلانات رکھتا ہو۔ ہر سماج کی اپنی منفرد طرزِ زندگی، حیثیت اور تعلقات کا دائرہ ہوتا ہے۔ اس دائرے میں کسی دوسری ثقافت کی رسائی نہیں ہوتی ۔ ان کی پہچان ان کی معاشی زندگی کے معیار سے ہوتی ہے ۔ کسی بھی سماج کی خصوصیات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ سماج اپنی انفرادی شناخت سے ہی دوسرے معاشروں

سے مختلف ہوتا ہے۔اس کا اپنا معاشرتی حلقہ ہوتا ہے۔اس کے لوگوں کا ایک مشترکہ مفاد ہوتا ہے۔وہ یکساں رسوم ورواج کا حامل ہوتا ہے۔

پاکستانی سماج کی خصوصیات کا تعلق ثقافت سے بہت گہرا ہے۔پاکستانی ثقافت کی خوبصورتی اس کا تغیر پذیر ہونا ہے۔معاشرتی تبدیلی عموماً کسی جدّت سے شروع ہوتی ہے۔یہ جدّت چھوٹی سے چھوٹی اکائی بھی ہو سکتی ہے۔زبان بھی ایک جدّت ہے۔انسانی ذہن اور اس کے اعمال تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔گویا زبان کی یہ تبدیلی بھی ثقافتی تغیّر کی ایک مثال ہے۔پھر پاکستانی سماج کو سمجھنے کے لیے اس کے اسلامی رنگ کو سمجھنا ہو گا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ آبادی کا مذہب اسلام ہونے کی وجہ سے لوگوں میں ایسی مذہبی رواداری قائم ہے کہ جس کے سامنے باقی تمام رشتے مانند پڑتے ہیں۔اسلام کی تعلیمات میں نسلی برتری،ذات پات کی تقسیم اور علاقائی تعصب کو ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔یہ تصور ملکی وحدت کو فروغ دیتا ہے۔پاکستانی تہذیب چوں کہ مختلف ثقافتوں کا مجموعہ ہے اس لیے ہر ثقافت پہلودار ہے جس کا ہر زاویہ دل چسپ ہے۔ان گروہی ثقافتوں کے ملاپ سے پاکستانی ثقافت میں ایک اچھوتا پن پیدا ہو گیا ہے۔مگر یہ تمام ثقافتی راستے پاکستانی ثقافت کی شاہراہ سے ہی ملواتے ہیں۔اس ملن میں سب سے اہم کردار زبان کا ایک ہونا ہے جو کہ اردو ہے۔

دوجذبی زبان میں نوآبادیاتی باشندہ اور نوآبادکار کے سماجی تعلق کا عمل دخل بہت گہرا ہے کہ نوآبادکار کے اثر کی ہی وجہ سے زبان اپنی اصل سے محروم ہوتی چلی جاتی ہے اور سماج کی وہ تمام روایات آہستہ آہستہ دم توڑ جاتی ہیں کہ جن کی زندگی زبان سے جڑی ہوتی ہے۔

ا:استعمار کار اور استعمار زدہ کا باہمی تعلق

استعماریت ایک ایسا عمل ہے جو ایک مخصوص گروہ کے ہاتھوں، مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے وقوع پذیر ہوتا ہے۔استعمار کار طبعی اور ذہنی تقسیم کا قائل ہوتا ہے۔وہ استعمار زدہ کے سامنے اپنی ثقافت، علوم، سیاست، فنون اور زبان کے ذریعے ایسا تاثر دیتا ہے کہ جس کے نتیجے میں استعمار زدہ اپنی سیاست، علوم وفنون اور

زبان کو کم تر سمجھنے لگتا ہے۔ گویا کہ استعمار کار مقامی باشندوں کے ذہن اور نفسیات کو بیک وقت تسخیر کرتا ہے ۔ہندوستان میں استعمار کاروں نے آبادی پر نفسیاتی تسلط قائم کرنے کے لیے زبان پر غلبہ حاصل کیا۔عالم وجاہل ، مشرق و مغرب، غلام اور آقا کے تصوّر کی یہ صورتحال ایک کش مکش کی صورت میں آج تک جاری ہے۔ استعمار کار مقامی باشندوں کو ہمیشہ یہ باور کراتا رہتا ہے کہ وہ ان سے افضل ہے۔دلیل کے لیے استعمار کار ان کے سامنے اپنی تہذیب، لباس ،رہن سہن، مذہب، قانون، سوچنے کا انداز اور زبان کو پیش کرتا ہے اور استعمارزدہ اس کی تقلید کرنا شروع کر دیتا ہے۔کیوں کہ وہ اپنی کامیابی کے لیے ان کی تقلید کو ضروری خیال کرتا ہے۔اس کے نتیجے میں استعمار زدہ اپنی ثقافت اور تہذیب سے دور ہوتا جاتا ہے۔نہ صرف دور ہو جاتا ہے بلکہ اپنی اقدار، تعلیم ،لباس اور زبان سے نفرت کرنا شروع ہو جاتا ہے۔اس سے استعمار زدہ کی انفرادی شناخت ختم ہو جاتی ہے۔

> ”خیال ہر زندہ کلچر میں ایندھن کی حیثیت رکھتا ہے جس سے ہمہ جہتی تخلیق کی آگ ہر دم روشن رہتی ہے۔ جس طرح تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آگ روشن رکھنے کے لیے ایندھن کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح معاشرہ کو ہر سطح پر ،وقت کے ساتھ سات نئے خیال کی ضرورت پڑتی ہے۔خیال کی اہمیت یہ ہے کہ وہ انسان کے ذہن میں ایک ایسا ماحول پیدا کر جاتا ہے کہ اس کی ساری زندی اس کے تابع ہو جاتی ہے۔زبان، عادات و اطوار، فکر، عقائد، طرزِ معاشرت، رسم و رواج، معاشرتی اور مادی و روحانی اقدار سب اسی کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہیں اور انھیں چیزوں کے مجموعے کا نام کلچر ہے۔“[۲]

زبان کا تہذیب سے دو طرح کا رشتہ ہوتا ہے۔ایک رشتہ تہذیب کے ساتھ مادیت یا خارجی ہے اور دوسرا غیر مرئی، تجریدی اور ذہنی و جذباتی۔ تہذیب کی مادی شکل اسی تہذیب اور دوسری تہذیبوں سے وابستہ ہوتی ہے ۔قوموں کے ملنے جلنے سے تہذیبیں بدلتی رہتی ہیں۔تہذیب کے حسبِ مزاج زبان میں بھی امتیاز پیدا ہوتا رہتا ہے۔ انسانی تہذیب جیسی اشیا سے منسلک تھی ویسے ہی نام بھی زبان کا حصہ تھے۔ ان کی کیفیتیں، حالتیں اور متعلقات کے مطابق زبان کے الفاظ تھے۔شہروں اور دیہاتوں کے رہن سہن اور زبان میں فرق تھا۔ گویا

زندگی میں ہونے والی مادی تبدیلیاں آدابِ معاشرت، طرزِ احساس اور ذہنی رویوں کی تبدیلیوں سے عبارت ہوتے ہیں۔

کسی قوم کا استعماری غلبہ استعمارزدہ کی تہذیب کو متاثر کرتا ہے۔ نئے الفاظ اور کلمات محکوم تہذیب کا حصہ بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی یورپی استعمار کار کے آنے سے تہذیب میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی۔ استعمار کار کی زبان نے اپنا اثر دکھایا اور یہاں کی دنیا نئے نئے ناموں سے متعارف ہونا شروع ہوئے۔ انگریزی زبان کا دور دورہ ہونے لگا۔ پاکستان میں بھی اردو زبان میں انگریزی الفاظ کی ملاوٹ آج تک جاری ہے۔ نسلِ نو میں ان انگریزی الفاظ کا استعمال انگریز تہذیب کی طرف کشش کی خواہش کو ظاہر کرتا ہے۔ زبان کے اعتبار سے جب ہم استعمار کار اور استعمار زدہ کی بات کرتے ہیں تو اس لیے کہ استعمار کار کی زبان (انگریزی) کے الفاظ اردو زبان کا حصہ بن کر مافی الضمیر بیان کرنے سے قاصر ہے۔ رشتوں کے نام معاشرے کی بنیاد ہیں، نام سے ہی رشتے کی وضاحت، تصور اور ترجیحات متعین ہوتی ہیں۔ پاکستان میں رشتوں کا نظام تہذیب کا ایک حصہ ہے۔ انگریز قوم میں رشتوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا مگر پاکستان میں ہر رشتے کے لیے کلمات مختص ہیں ۔ ہمارے ہاں چچا، ماموں اور خالہ میں تمیز کی جاتی ہے، بہنوئی، سالہ، بھائی اور سالی میں فرق کیا جاتا ہے۔ مگر انگریزی میں uncle, brother in law, sister in law,aunt وغیرہ کہنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح رنگوں کے بیان میں، مکالمے میں اور مخاطب کرنے میں تہذیب کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ زبان تہذیب کی آرائش، فروغ اور ترقی میں کچھ نہ کچھ کردار ضرور ادا کرتی ہے۔ اردو زبان ہماری زبان ہے جو ہماری ثقافت کا حصہ ہے۔ کوئی غیر زبان ہمارے عقائد، افکار و خیالات، حیات و کائنات اور اقدار کا بھرپور ابلاغ نہیں کر سکتی۔ اردو زبان ہمارے طرزِ احساس، انداز فکر اور سماجی ماحول کا مظہر ہے۔

ب: روزمرہ گفتگو میں انگریزی الفاظ کا استعمال

تمام علوم و فنون انسان کے خیالات اور اس کے روزمرہ تجربات سے وجود میں آئے ہیں۔ اپنے جذبات و احساسات کے بیان کے انسان نے زبان کا سہارا لیا ہے۔ گویا ان علوم کے بیان میں زبان کا کردار مرکزی رہا ہے

۔ان علوم کے بیان کرنے میں نئے نئے الفاظ کی ضرورت رہی ہے۔اسی طرح کلچر کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔لوگوں کے طور طریقوں، رہن سہن اور ان کے معمولات کو بیان کرنے میں زبان کا سہارا لیا جاتا ہے ۔انسان معاشرتی حیوان ہے اور اسے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کا پابند ہے۔اس کی ایک بڑی وجہ بقول "ارسطو" انسان کی سماجی فطرت ہے۔انسان کے ایک دوسرے کے ساتھ میل جول اور اشتراک کی اس ضرورت کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ کچھ ایسے قوانین وضع کیے جائیں کہ جن سے معاشرتی پہچان قائم رہ سکے۔اس معاشرتی پہچان کی حفاظت کے لیے اولین چیز زبان ہے۔استعمار کار کی پہلی ضرب بھی ہمیشہ زبان پر ہی ہوتی ہے کہ وہ استعمار زدہ کی زبان کو گراوٹ کا شکار کر دیتا ہے۔

استعماری کلچر کے نتیجے میں نہ صرف تہذیب و ثقافت بدلتی ہے بل کہ زبان بھی متاثر ہوتی ہے۔ استعمار زدہ احساسِ تفاخر میں اپنی زبان کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے استعمار کار کی زبان اختیار کرتا ہے۔پاکستانی معاشرے میں بھی نوآبادیاتی اثرات کو دیکھا جا سکتا ہے۔چناں چہ گفتگو میں انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال عام دیکھا جا سکتا ہے۔اپنے آپ کو تہذیب یافتہ ثابت کرنے کے زعم میں قومی زبان سے روگردانی اور نفرت پاکستانی قوم کے رویوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔روز مرّہ گفتگو میں آدھے سے زیادہ انگریزی الفاظ کا استعمال کر کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تعلیم یافتہ ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔یہ مستعاریت کی مثالیں ہیں۔ مستعاریت سے مراد دوسری زبان سے الفاظ لے کر اپنی زبان میں شامل کرنا ہے۔ انگریزی زبان کے الفاظ مستعار لینے میں ایک وجہ تو دو جذبی رویہ ہے، دوسرا لغوی طور پر، بات چیت کرنے والا اپنی بات کی تفہیم کے لیے انگریزی الفاظ اور تراکیب کو اردو زبان کا حصہ بناتا ہے۔ تیسری بات جو زیادہ خطرناک ہے وہ یہ کہ اردو بولنے والے پاکستانی، انگریزی کے الفاظ فقط اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ ان کا تعلق اعلیٰ طبقے کے ساتھ ظاہر ہو جائے۔سماجی برتری کو قائم کرنے اور دوسروں پر دھاک بٹھانے کے لیے گفتگو کا بدلتا ہوا رجحان اس لیے پریشان کن ہے کہ اس سے نسلِ نو میں اردو زبان کے مسلسل گرتے ہوئے مقام کو دیکھا جا سکتا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں والدین اپنے بچے کی تعلیم کے لیے ایسے سکول کا انتخاب کرتے ہیں جس میں انگریزی کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہو، ایسا ادارہ تلاش کیا جاتا ہو جس کے بارے میں مشہور ہو کہ وہاں اردو زبان کا ایک بھی لفظ بھی بولا جاتا ہے نہ سکھایا جاتا ہے۔ گویا ابتدا سے ہی انگریزی ذریعہ تعلیم ترجیحات میں شامل ہے۔ اسکولوں میں بھی والدین کی خوشنودی کے لیے بول چال میں انگریزی ہی سکھائی جاتی ہے تا کہ بچہ گھر جا کر والدین کے سامنے اظہارِ خیال کے لیے انگریزی زبان کے الفاظ کا سہارا لے۔ بچوں کو ابتدائی کلاسز میں ہی انگریزی الفاظ سیکھانے شروع کر دیے جاتے ہیں۔ بطور زبان انگریزی سیکھنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ مگر سکول میں اساتذہ کی بچوں کے ساتھ انگریزی بول چال اور گھر میں والدین کا اصرار کہ وہ ہر چیز کے بیان میں انگریزی لفظ ولہجہ اختیار کرے، خطرناک ہے۔ والدین جان بوجھ کر ایسے سکول کا انتخاب کرتے ہیں کہ جن میں اساتذہ بات چیت میں صرف انگریزی کے الفاظ استعمال کریں۔ گھروں میں والدین بھی اسی قسم کے ماحول کو پسند کرتے ہیں کہ جس میں ان کا بچہ ہمہ وقت روز مرّہ میں انگلش کے الفاظ کا کثرت سے استعمال کرے۔

عمر کے ابتدائی ایام میں جب زبان تشکیل پا رہی ہوتی ہے۔ بچے کے ذہن میں آنے والے ابتدائی نام جس زبان میں اس کے ذہن میں محفوظ ہوں گے ، آئندہ اسی زبان میں دہرائے جاتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں والدین اپنے بچوں کے ساتھ مکمل یا کچھ الفاظ میں، انگریزی میں بات چیت کر کے اسے بھی انگریزی کے الفاظ بولنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ گھر تعلیم و تربیت کا پہلا مدرسہ ہوتا ہے۔ گھروں میں زبان کے اعتبار سے ایسے ماحول میں پلنے والا بچہ بہت سی جگہوں پر انگریزی الفاظ کو تو جانتا ہوتا ہے۔ مگر اردو میں ادائے مطلب کے لیے اس کے ذخیرہ الفاظ میں کوئی لفظ موجود نہیں ہوتا۔ اتنی کم سنی میں بچہ اسی زبان کے الفاظ کو یاد رکھ سکے گا جو اس کی پہلی زبان کے طور پر اس کی یاداشت کا حصہ بنیں گے۔ کثرت سے انگریزی الفاظ جب اس کی سماعت سے ٹکراتے رہتے ہیں تو مافی الضمیر کے بیان میں بھی وہی الفاظ تقریر اور تحریر کا حصہ بنتے ہیں۔ یہی وہ صورتحال ہے کہ جس سے اردو انشاپردازی میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔

ج: نسلِ نو کا میڈیا انسلاک اور زبان پر اثرات

ہم ڈیجیٹلائیزیشن کے دور میں جی رہے ہیں۔ گیجٹس اور ڈیوائسس ہمارے گھروں کا ایک ضروری حصہ بن چکی ہیں۔ بڑوں کے ساتھ ساتھ بچے بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان دنوں بچے الگ تھلگ، ضدی اور خود غرض بنتے جارہے ہیں۔ ڈیجیٹل دنیا نسلِ نو کو حقیقی دنیا سے دور کر رہی ہے۔ زیادہ وقت میڈیا استعمال کرنے سے بچوں کی سماجی اور اور جذباتی نشو ونما متاثر ہوتی ہے۔ تعلیم اور کتابوں سے زیادہ توجہ گیمز اور ایپس کے استعمال پر دی جاتی ہے۔ بہت سی نفسیاتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بچوں کا یہ میڈیا انسلاک ان کی زبان پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے۔ ویسے تو سوشل میڈیا کی بہت سی ایپس ہیں مگر ان میں سے مشہور ترین Facebook ہے جس کا سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ سوشل نیٹ ورکنگ کی اس ایپ میں تبدلہ خیالات کے لیے تصویر، ویڈیوز، تحریری پوسٹس اور میسجز کا سہارا لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں ان پر تبصرہ درکار ہوتا ہے جو کہ دیکھنے والے کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اردو انشا کے معاملے میں یہاں خاص مواقع میسر نہیں آتے البتہ اردو زبان کے فروغ میں قدر دانِ اردو ایسے پیغامات پھیلاتے رہتے ہیں کہ جس سے اردو زبان کو فائدہ ہوتا ہے۔ دوسرا Whatsapp ہے جس میں زیادہ تر تحریری طور پر تبادلہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس میں اردو الفاظ کو اردو کی بجائے انگریزی میں لکھا جاتا ہے ۔یعنی اردو انشاپردازی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

انسان کا امتیازی وصف زبان ہی ہے اور اس نعمت سے حیوانات محروم ہیں۔ آوازیں نکالنے کی حد تک جانوروں میں بھی یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان آوازوں کا مختلف صورتوں میں ردِ عمل بھی ہوتا ہے۔ مگر انسان کے علاوہ کسی مخلوق میں زبان کو نکھارنے کا تصور نہیں ہے۔ اس کے بر عکس، انسان اپنی آواز کو ترقی دے کر فکر و اظہار کا ذریعہ بھی بناتا ہے۔ زبان وسیلہ اظہار ہے۔ زبان ہی کے ذریعے سے انسان اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹتا ہے۔ زبان تہذیبی ترقی کا بھی ذریعہ ہے، اگر زبان نہ ہو تو تہذیب گونگی رہ جائے چناں چہ زبان تہذیب کے فروغ کا اہم ذریعہ ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جس لمحے زبان کا تہذیب سے تعلق ٹوٹا اس لمحے وہ تہذیب بھی شکستہ ہو گئی اور پھر ختم ہو گئی۔ تہذیب سے محبت رکھنے والوں کو

زبان کی حفاظت کرنا ضروری ہوتی ہے۔ بول چال اور تحریر کی زبان ہی زندہ رہتی ہے۔ زندہ زبان کا تعلق عمر رسیدہ ادبی کاوشوں سے ہی نہیں۔ بچپن میں ہی زبان کی حفاظت کی جاتی ہے۔زبان کے زندہ رہنے کا بھی ایک نظام ہوتا ہے۔ جس قدر زبان کا استعمال زیادہ ہو گا اور ابتدائی سطح پر ہو گا اس کی حفاظت ہوتی رہے گی۔زبان کی زندگی دراصل اس کی تحریری شکل ہے۔ نئی نسل اردو زبان کی تحریر سے اس کی حفاظت کرتی ہے۔

دنیا بھر میں وہ لوگ جن کی دل چسپیاں مشترک ہیں، سوشل میڈیا کی مدد سے ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں، اپنے جذبات کا تبادلہ کرتے ہیں۔جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے قریب آ چکے ہیں۔ پھر بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے زبان کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے۔زبان کے استعمال سے ہی ان کے درمیان تعلق بڑھتا ہے۔یعنی زبان کلچر کی نشوونما اور سماج کے تسلسل کا ذریعہ ہے۔

زمانہ حاضر میں سوشل میڈیا کا استعمال کسی سے مخفی نہیں۔نسلِ نو کی دل چسپی اور روزمرّہ کے معاملات میں سوشل میڈیا کی مداخلت نے آج کے انسان کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ میڈیا کے اس استعمال میں عمر کے تمام افراد شامل ہیں ۔ خصوصا نسلِ نو کا میڈیا انسلاک ضرورت سے زیادہ ہے ۔سوشل میڈیا کی ان تمام ایپلیکیشنز میں گفتگو کے لیے استعمال کی جانے والی زبان انگریزی اور اردو ہے۔ سوشل میڈیا کے لیے استعمال ہونے والی تمام ڈیوائسز میں پہلے سے دیا گیا کی بورڈ انگریزی میں ہوتا ہے، اگرچہ اردو کی بورڈ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر انگریزی حروف کی مدد سے ہی اردو بھی لکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ صبح بخیر کو subh bakhair ،آنا کو aana، کھانا کو khana، طبیعت کو tabiyat وغیرہ لکھا جاتا ہے۔پاکستانی ہونے کے ناطے گفتگو میں آسانی اردو زبان کے استعمال سے ہی محسوس ہوتی ہے مگر اردو انشا کی طرف دلچسپی نہیں دکھائی دیتی۔ چناں چہ ڈیوائس کو استعمال کرنے والے کی زیادہ مشق انگریزی الفاظ کے لکھنے میں ہو جاتی ہے۔ سوچ و فکر کے تبادلے میں جس طرح اردو زبان کا استعمال ہونا چاہیے تھا، سوشل میڈیا کی کسی ایپ میں اس کی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ چناں چہ اردو زبان یہاں بھی نسلِ نو کی ترجیحات میں شامل نہیں ہو پاتی۔

د: غیر ثقافت کی دل کشی

ثقافت کے حوالے سے کی گئی تمام تعریفوں کو سامنے رکھا جائے تو ایک بات مشترک معلوم ہوتی ہے کہ ثقافت سیکھی جاتی ہے جو انسان کو اس کے ماحول میں مطابقت حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ہر معاشرے کی ایک مخصوص ثقافت ہوتی ہے جو کہ تغیر پذیر تو ہوتی ہے مگر اس معاشرتی نظام کے ساتھ مستحکم ہوتی ہے ۔ثقافت دراصل ایک ایسا راستہ ہوتا ہے کہ جس پر چل کر کوئی قوم اپنا اندازِ حیات متعین کرتی ہے۔ ثقافت جب تک جسمانی، معاشی، سماجی، سیاسی یا معاشرتی ضروریات کو پورا کرتی رہتی ہے، بر قرار رہتی ہے ورنہ آہستہ آہستہ دم توڑ دیتی ہے۔ علم اور طاقت کا رشتہ فطری نہیں بلکہ ثقافتی ہوتا ہے۔ کسی شے کا علم خود اس شے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی ثقافت کے بارے میں بتاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہو گا کہ ثقافت ہی بنیادی معلومات تک رسائی فراہم کرتی ہے۔

> ''ثقافت کی تین سطحوں کی بالعموم نشان دہی کی گئی ہے۔ ایک: زندہ ثقافت، جسے کسی سماج کے افراد کسی خاص لمحے میں جی رہے ہوتے ہیں۔ ثقافت کی یہ سطح بہتے پانی کی طرح ہوتی ہے۔ لہٰذا اس تک رسائی اس خاص لمحے میں ہو سکتی ہے۔ دوم: محفوظ کی گئی ثقافت، جسے تحریری، نقشی، صوتی کسی بھی طریقے سے محفوظ کر لیا گیا ہو۔ اس میں آرٹ کی مختلف صورتوں سے لے کر روزمرہ زندگی کا کوئی بھی ثقافتی مظہر شامل ہو سکتا ہے اور ان کا تعلق کسی بھی زمانے سے ہو سکتا ہے۔ سوم: منتخب روایات کی ثقافت، ایک اعتبار سے یہ ثقافتی سطح مثالی ہوتی ہے، جس میں مطلق اور آفاقی اقدار کو منتخب اشخاص کی زندگیوں اور کارناموں میں تلاش کیا جاتا ہے۔ یہ ثقافتی سطح خود کو لازمانی حقیقت کے طور پر پیش کرتی ہے۔ ثقافت کی یہ تینوں سطحیں کم و بیش ہر ثقافت میں موجود اور باہم مربوط ہوتی ہیں ۔انھیں مربوط کرنے کے لیے کوئی پراسرار دھاگا نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض عوامل اور عناصر ہیں جو ایک ثقافتی سطح کو دوسری سطح سے جوڑتے ہیں۔ مثلاً زندہ ثقافت کی سطح پر، کچھ اقداری، آئیڈیالوجیکل یا فوری سیاسی عامل کے تحت فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کن ثقافتی

عناصر کو محفوظ رکھنا اور کون سی ثقافتی روایات کی بنیاد پر مثالی ثقافت کا تصور وضع کرنا ہے۔"(۳)

ثقافت ایک اکتسابی عمل کا نتیجہ ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک گروہ سے دوسرے گروہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ایک ثقافت دوسری ثقافت سے قربت کے باعث حاوی بھی ہوسکتی ہے اور اس کو ختم بھی کر سکتی ہے یا دونوں خلط ملط ہو کر اپنی پہچان کھو دیں۔ ثقافت کی یہ منتقلی افراد، ادب اور زبان کے ذریعے سے ہوتی رہتی ہے۔ مگر اس میں سب سے طاقت ور مہیج زبان ہوتا ہے۔

ذاتی ثقافت اور غیر ثقافت کے باب میں یہ بات اہم ہے کہ ہماری ثقافتی روایات کا ایک اسلامی اور تاریخی پہلو بھی ہے۔ ہماری بہت سی عادات اور رسوم و رواج کے منطقی ادراک اور فہم کے لیے ہمیں اس کا پسِ منظر جاننا ضروری ہوتا ہے۔ ثقافت کا تانا بانا تین چیزوں سے بنا جاتا ہے۔ نمبر ایک ادارے، نمبر دو خیالات اور نمبر تین اشیا جو مادی ضروریات کی تکمیل کے لیے استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ اداروں سے مراد معاشرتی گروہ، خاندان، کنبہ اور قوانین لیے جاتے ہیں۔ خیالات میں عقائد اور اخلاقی، مذہبی، سائنسی، تاریخی اور عمرانی علوم شامل ہیں ۔ ثقافت کے تیسرے حصے میں وہ تمام مادی اشیا شامل ہیں جو انسان نے اپنے لیے تخلیق کی ہیں۔ ان میں سوئی سے لے کر جہاز تک تمام میکانیکی چیزیں شامل ہیں۔ ان تمام اشیا کو غیر مادی حوالوں سے سمجھنا ضروری ہے ۔ مثلاً چاقو، جس سے پھل کاٹا جاتا ہے، کسی کو زخمی کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

غیر ثقافت کی طرف کشش ماضی سے جاری ہے۔ حکمران اور مغرب پسند طبقے کو ان کے عہدوں اور مقام کی وجہ سے ہمیشہ سے ہی تہذیب کی علامت سمجھا جاتا ہے اور ان کی تقلید کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انگریز قوم نے ہمیشہ اپنی زبان کو دوسری زبانوں سے صحیح، برتر اور معیاری بنا کر پیش کیا ہے۔ اسکولوں میں بھی انگریزی کو ترجیحی زبان کا درجہ حاصل ہے، دفاتر میں بھی، تحریری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ حد درجہ سرپرستی اور مقام دینے کی وجہ سے علمی اور ادبی زبان بھی انگریزی کو ہی خیال کیا جاتا ہے۔ اس ماحول میں عوام بھی اس غیر زبان کو صحیح اور معیاری سمجھ کر اپنے سماجی رتبے اور تہذیب یافتہ ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال

کرتے ہیں۔ اردو بولنے والے خاندان بھی اب انگریزی بولنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ انگریز دور ختم ہو جانے کے بعد بھی پاکستانی قوم کے مزاج میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے کہ ہماری قومی زبان اردو ہمارے لیے باعثِ فخر ہو۔

ہ: ذاتی ثقافت سے بیگانگی اور انفرادی شناخت کا خاتمہ

انسان کی معاشرتی زندگی کی بنیاد اختلافِ عمل پر ہے۔ اسی اختلاف پر معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ ثقافت بھی انسان کی ہی پیدا کردہ ایسی چیز ہے کہ جس کی حفاظت وہ خود بھی کرتا رہتا ہے اور پھر اسے اگلی نسلوں کو بھی منتقل کرتا ہے۔ ثقافت انسان کو سکھائی جاتی ہے کیوں کہ اس عمل میں اسے ایسا تیار کیا جاتا ہے کہ اس کی شخصیت معاشرے کے لیے قابلِ قبول ہو۔ کبھی کبھی ثقافت میں کچھ ایسے عوامل بھی شامل ہو جاتے ہیں کہ جس سے معاشرے میں تنزلی کا خدشہ ہوتا ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی 'کشاف تنقیدی اصطلاحات' میں ثقافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "کرہ ارض پر بسنے والے انسانی گروہوں نے اپنی مادی اور روحانی ضروریات کو تسکین دینے اور ایک منظّم اور ایک مضبوط معاشرتی زندگی بسر کرنے کے لیے کچھ نصب العین وضع کیے، رہن سہن کے کچھ طریقے ایجاد کیے، کچھ ریتیں اور رسمیں بنائیں، کچھ قوانین وضع کیے، حلال اور حرام کے درمیان کچھ امتیازات قائم کیے، کچھ نظریات و تصورات اور علوم و فنون سے دل چسپی لی۔ اس طرح سماجی تعلقات کے تعاون سے ان اکتسابات نے ذیلی اختلاف کی گنجائش کے باوجود افرادِ معاشرہ میں تنظیم اور یکسانی کردار پیدا کی۔ ان کی افادیت مسلم ٹھہری، چناں چہ اگلی نسل تک انھیں منتقل کرنا ضروری ہوا۔ نسلا بعد نسل منتقل ہونے والے اکتسابات کے اس مجموعہ کو کلچر یا ثقافت کہتے ہیں۔"[۴]

ثقافت کے لسانی تعلق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ثقافت کو زبان کی بنیاد پر سمجھنا ضروری ہے۔ تا کہ زبان کے ابتدائی قوانین کو سمجھا جاسکے۔ معاشرے کی اصل دراصل زبان کی ہی اصل ہے۔ پاکستانی معاشرے پر نو آبادیات کے اثرات میں زبان کے ثقافتی تعلق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگرچہ ثقافت تغیر پذیر ہے۔ افراد کا کردار وہاں کی ثقافت کے تابع ہوتا ہے۔ اس کی انفرادی شناخت بھی ثقافت کی تبدیلی سے خطرے کا سامنا کرتی ہے۔ لہٰذا معاشرتی اقدار اور ثقافت افراد کی انفرادی خصوصیات کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ عمل مسلسل ہونے والا ہے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔

> " ثقافت تین چیزوں سے عبارت ہے مذہب، تاریخ اور جغرافیہ تین چیزیں اسے نمو بخشتی ہیں دل، دماغ اور دھرتی۔ دل ماحول کی اشیا اور تصورات کو محسوس کرتا ہے ۔ دماغ سوچتا ہے۔ اشیا اور تصورات کی تراش خراش، آراستگی اور پیراستگی اور نوک پلک سنوارنے میں مسلسل مصروف رہتا ہے اور دھرتی دلوں اور دماغوں، محسوسات اور سوچ کے تبادلے اور امتزاج اور انھیں نت نئے روپ دینے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔"(۵)

پاکستانی ثقافت بنیادی طور پر وحدانیت اور انسانی مساوات کی تصورِ یگانگت پر منحصر ہے۔ کسی بھی معاشرے کے پنپنے میں اس کے ماضی کے احوال بہت اہم ہوتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے کی اساس میں اسلامی روایات کا دخل ہے۔ اسی انفرادیت کو سامنے رکھتے ہوئے برِصغیر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے اپنے لیے ایک الگ وطن کی جدوجہد کی اور اپنے لیے الگ وطن "پاکستان" حاصل کیا۔ پاکستان کی موجودہ ثقافت کی بناوٹ میں اسی ماضی کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ علاقائی اور مقامی ثقافتوں نے پاکستانی ثقافت میں خوش نما رنگ بھر رکھے ہیں ۔ اس لیے پاکستانی ثقافت کو سمجھنے کے لیے مرد اور عورت کے مقام، لباس خوراک، فنِ تعمیر فنون، دستکاری کے کام اور زبان کی وحدت کو سمجھنا اہمیت کا حامل ہے۔ علاقائی اور قومی کلچر میں فرق صرف جگہ کا ہی ہو سکتا ہے۔ قومی کلچر میں علاقائی کلچر کے باوجود اس کی اپنی ایک الگ پہچان ہوتی ہے۔ علاقائی تہذیبیں مل کر ایک

قومی وحدت پیدا کرتی ہیں۔ قومی سطح پر اتحاد کی ضرورت و اہمیت کا احساس کوئی حیرت کی بات نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق براہِ راست معاشرے کے سارے مادی، ذہنی، تاریخی اور روحانی مسائل سے ہے۔ سیاسی سطح پر دشمن کا خوف، معاشی سطح پر ایک دوسرے کی محتاجی اور تاریخی شکل میں قوم کا ماضی تباہ ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔اس کے برعکس جب سارا ملک ایک وحدت بن کر فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کے لیے ایک تجربہ گاہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے جہاں یہ تجربہ مختلف شکلوں میں اظہار پا کر ایک ایسے کلچر کو جنم دیتا ہے جس کا مقابلہ کوئی قوم نہیں کر سکتی ۔پاکستانی معاشرے میں اس عمل کو سمجھنا اور اس کی حفاظت ضروری ہے۔زبان کی مٹتی ہوئی قدریں اس کے راستے میں حائل نظر آتی ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے قومی جذبات اور ہمارے اعمال میں فرق ہے۔زبان سے دوری دراصل قومی یکجہتی کو بڑھنے سے روک رہی ہے۔ بیگانی ثقافت کی اس محبت نے قومی اتحاد کے جذبے کو عدمِ تحفظ کا شکار کر دیا ہے۔ ہمیں پاکستانی قوم ہونے پر فخر نہیں رہا ہے۔پاکستانی قومیت کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی زبان و کلچر کو مسلسل تحفظ فراہم کیا جائے۔

اردو زبان پاکستانی قوم کی وحدت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔اسی کے ذریعے انسان مافی الضمیر کو بیان کرتا ہے ۔اپنے خیالات دوسرے تک اور دوسرے کے خیالات کو خود سمجھتا ہے۔ اردو ایسی زبان ہے جو کہ مسلمانوں کے برصغیر میں قیام کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ یہ مختلف زبانوں کے ملاپ سے تخلیق ہوئی ہے۔ تمام مسلمانانِ برصغیر کی مشترک زبان اردو ہی رہی ہے۔ قیامِ پاکستان کی تحریک میں ایک اسلامی جذبہ اور دوسرا مسلمانوں کے علاحدہ تشخص کو اجاگر کرنے والی خوبی زبان ہی تھی۔ اب یہ ہماری قومی زبان ہے اور ہمارا مشترک قومی ثقافتی سرمایہ ہے جس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے ۔ناصر عباس نیرؔ نے اپنی کتاب میں چارلس ٹریلویلین واشگاف کا قول نقل کیا ہے:

> "ہندوستانی نوجوان ہم سے ہمارے ادب کے ذریعے مانوس ہونے کے بعد ہمیں غیر ملکی سمجھنا ترک کر دیتے ہیں۔وہ ہماری ہی طرح ہم عظیم لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ یکساں طریقے سے تعلیم حاصل کرنے ، یکساں باتوں میں دل چسپی لینے ، یکساں مشاغل میں

> ہمارے ساتھ مصروف ہونے کے بعد، ہندوؤں سے زیادہ انگریز بن جاتے ہیں، بالکل اسی طرح، جس طرح گال یا اٹلی کے لوگ، رومیوں سے بڑھ کر رومی بن گئے تھے۔"(۶)

اگرچہ واشگاف کے یہ الفاظ ہندوستانی نوجوانوں کے لیے کہے گئے مگر پاکستان میں بھی انگریز کی متابعت میں ہماری نئی نسل کے روز و شب مختلف نہیں ہیں۔ ذاتی ثقافت اور پہچان پر شکوک و شبہات اور یورپی اندازِ زندگی سے پیار مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یورپی تقلید کی اس شکل نے نہ مکمل انگریز بننے دیا نہ ہی پاکستانی رہنے دیا ہے۔ نسلِ نو دوغلی بن رہی ہے۔ رنگ و نسل کے اعتبار سے پاکستانی اور عادات، ذہن اور سوچ کے اعتبار سے انگریز ۔اس سوچ سے ایک تفاخّر جنم لیتا ہے کہ ہم باقیوں سے برتر ہیں۔ ہماری فکر اعلی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنی ثقافتی شناخت سے محروم ہیں۔ ایسی دوہری ثقافتی شناخت تخلیقی قوت سے محروم ہے۔

و: ابتدائی تعلیمی اداروں میں دوجذبی زبان کا استعمال

کسی بھی زبان کا ادب اس معاشرے کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کیوں کہ انسانوں کے جذبات اور احساسات کی بہترین عکاسی اس کی زبان کے ذریعے سے ہی ہوتی ہے۔ مگر زبان صرف ابلاغ اور روزمرہ گفتگو کا ذریعہ ہی نہیں، اس کا ثقافتی تصور یہ ہے کہ زبان کا ایک علامتی نظام بھی ہے۔ ایک ایسا نظام، جس میں اس معاشرے کی تاریخ پنہاں ہوتی ہے۔ اسی علامتی نظام سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاشرے کا اندازِ فکر کیا ہے، معاشرتی تبدیلیوں پر افراد کا ردِ عمل کیسا ہے۔ پاکستانیوں کا نظامِ زندگی اور کلچر ہماری پہچان ہے۔ پاکستان کی ثقافت اور تہذیب کو نمونے کے طور پر پیش کرنے کے لیے سب سے بہترین معیار ہمارا خاندانی نظام ہے۔ معاشرہ ترقی یافتہ ہو، ترقی پذیر ہو یا غیر ترقی یافتہ، اس کی ثقافت اور تہذیب کی تخلیق خاندانوں کے باہمی روابط اور رشتوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ خاندانی نظام کی کچھ روایات اور قدریں ہوتی ہیں۔ جن کی روشنی میں آنے والی نسلوں کی تربیت کی جاتی ہے۔ خاندانی روابط میں زبان کی اہمیت اس لیے واضح ہے کہ اس کے ذریعے سے افراد اپنے جذبات و احساسات کو دوسرے افراد سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ اسی کے ذریعے سے ہی قوتِ مشاہدہ کو تقویت ملتی ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے کا وہ فرد ادب تخلیق کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

پاکستان میں تعلیمی اداروں کی تین اقسام ہیں۔ ایک سرکاری دوسرا نیم سرکاری اور تیسرے نجی تعلیمی اداے۔ تعلیم اور تدریسی طریقہ کار کے لحاظ سے تینوں ادارے مختلف انداز سے کام کرتے ہیں۔ سرکاری ادارے حکومتی تعلیمی بجٹ پر انحصار کرتے ہوئے اپنی تمام سرگرمیاں ترتیب دیتے ہیں۔ نصاب کی تشکیل تعلیمی وزارت کی طرف سے کی جاتی ہے اور سرکاری ادارے اسی نصاب کو پڑھانے کے پابند ہوتے ہیں۔ اساتذہ کی تقرری بھی حکومت کی زیرِ نگرانی ایک خاص عمل کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ کتابوں یا استاد کی تبدیلی، تعلیمی ادارے کا سربراہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔ اس لیے سرکاری تعلیمی نظام میں، جو ہے جیسا ہے کی بنیاد پر بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ سرکاری تعلیمی اداروں کا معیار مختلف شہروں میں مختلف ہے۔ بڑے شہروں میں معیارِ تعلیم زیادہ اچھا ہے جب کہ پاکستان کے دیہی علاقوں میں موجود تعلیمی ادارے کما حقہ اپنا کردار ادا نہیں کر پاتے۔ اس کے بعد نیم سرکاری تعلیمی ادارے ہیں۔ نیم سرکاری تعلیمی اداروں میں پڑھائی کی صورتحال سرکاری تعلیمی اداروں کی نسبت کچھ بہتر ہے۔ ان اداروں کا نسم و نسق نیم سرکاری اداروں کے سپرد ہوتا ہے اس لیے ان اداروں میں نصاب اور تدریسی عملے کی جانچ پڑتال زیادہ کی جاتی ہے۔ تیسرے نمبر پر نجی تعلیمی ادارے آتے ہیں کہ جن میں کوئی فردِ واحد یا زیادہ لوگ مل کر مالی اخراجات کر کے ایک تعلیمی ادارہ قائم کرتے ہیں۔ چوں کہ نجی تعلیمی ادارہ کسی سرکار کا پابند نہیں ہوتا چناں چہ اپنی سرگرمیوں میں آزاد ہوتا ہے۔ نصاب اور اساتذہ کے انتخاب میں نجی اداروں کی اپنی پالیسی ہوتی ہے۔ اشرافیہ اور انگریزی پسند طبقے کی خواہشات کو سامنے رکھتے ہوئے، نجی تعلیمی اداروں کا نظام انگریزی کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ نصاب اور تعلیمی اداروں کی تمام سرگرمیوں میں انگریزی کو فوقیت حاصل رہتی ہے۔ انگریزی زبان کو اپنانے اور عام کرنے میں ان اداروں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے اور ابھی بھی قائم ہے۔ بچے کی ابتدائی عمر میں ہی انگریزی کو پہلی زبان کے طور متعارف کروایا جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیمی اداروں میں بچے کی تعلیم کی نوعیت کچھ اس طرح کی جاتی ہے اسے کچھ کاموں سے منع کیا جاتا ہے اور کچھ کاموں کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔ معاشرے میں اچھا انسان بننے کے لیے اور برا نہ بننے کے لیے

قواعد کی خلاف ورزی پر ٹوکا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس عمر میں بننے والے نقوش اس کے احساسات پر نقش ہو جاتے ہیں۔ انھی قواعد کی پابندی یا خلاف ورزی کے نتیجے میں سامنے آنے والی شخصیت ہی اس کی مستقل حیثیت کو متعین کرتی ہے۔ تمام ماہرین اس بات سے متفق ہیں کہ بچے کی تعلیم، خاص طور پر ابتدائی تعلیم ، قومی زبان میں ہونی چاہیے۔ قومی زبان کے ذریعے حاصل کی ہوئی تعلیم نہ صرف پائیدار نتائج کی حامل ہوتی ہے بلکہ موثر ہوتی ہے۔ تعلیم کو معاشرتی مطابقت کے ساتھ ساتھ سماجی تبدیلی کا بھی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ زبان ہی ایک ایسا آلہ ہے جس کو شخصیت سازی کے عمل کے لیے بھی ساز گار سمجھا جاتا ہے۔

پاکستان میں نجی تعلیمی ادارے جن میں انگریزی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، بطورِ خاص اور تمام تعلیمی ادارے بالعموم، زبان کی تدریس میں ذمہ دارانہ کردار ادا کرتے نظر نہیں آتے۔ ان اداروں میں اردو ترجیحی زبان نہیں ہے۔ بچوں کی ابتدائی جماعت میں ہی اساتذہ روزمرہ گفتگو میں انگریزی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ جان بوجھ کر بچے کو اپنی ضروریات کے مطالبے کے لیے انگریزی کے الفاظ سکھائے جاتے ہیں۔ بچہ اپنے جذبات کے بیان میں انگریزی کے اتنے الفاظ سیکھ جاتا ہے کہ اردو الفاظ کا تعارف ہی نہیں ہو پاتا ۔ تعلیمی اداروں میں اردو زبان کو صرف ایک مضمون کے طور پر ہی پڑھایا جاتا ہے کہ جس سے بچہ مناسب نمبر لے کر امتحان میں پاس ہو جائے۔ جب کہ تعلیمی ادارے سے بچے کا رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے۔ عمر کے ابتدائی ایام میں جو لفظ بچے کے ذہن میں آ جاتا ہے، ساری زندگی وہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں اساتذہ کا زبان کے بارے میں دوجذبی رویہ پریشان کن ہے۔ اس سے بچوں میں اردو زبان سیکھنے کا شوق ختم ہو رہا ہے۔ طالب علم انگریزی زبان کو ہی پہلی زبان سمجھ کر پڑھ رہا ہے اور اسے ہی کامیابی کا زینہ خیال کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، عاکف بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۸۲

۲۔ جمیل جالبی، پاکستانی کلچر، مشتاق بک ڈپو، کراچی، ۱۹۶۴ء، ص ۳۵

۳۔ ناصر عباس نیئر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۳۶،۳۵

۴۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء ، ص ۵۵

۵۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، پاکستانی ثقافت، (مضمون) مشمولہ، پاکستانی ثقافت، مرتبہ ڈاکٹر رشید امجد، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۴

۶۔ ناصر عباس نیئر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۶۵

باب سوم:

دو جذبیت کی حامل زبان کا نفسیاتی تناظر

دو جذبیت کی حامل زبان دو رجحان پیدا کرتی ہے ایک رجحان مخصوص سماجی حلقے کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسرا اس کے متضاد۔ ایک ہی لسانی علاقے میں ایک ہی زبان ایک قوم کی تعمیر میں مدد دیتی ہے۔ یک لسانی قوم اپنے خیالات اور ثقافت میں بھی متحد ہوتی ہے۔ معیاری زبان قومی زبان ہی ہوتی ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اردو ہی معیاری زبان ہے اگرچہ سماجی برتری کے لیے لوگ انگریزی بول چال کو امتیازی مقام دیتے ہیں۔ یہ لسانی انحراف دراصل خود کو مخصوص سماجی دائرے میں رہنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ امتیازی تشخص کی حفاظت کے لیے قومی زبان اردو کی بجائے بول چال میں انگریزی کے الفاظ شامل کئے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک کی بات نہیں کہ زبان ایک اکتسابی عمل ہے اور سیکھنے کے عمل کے دوران کچھ تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ مخصوص مقاصد، سماجی اور تہذیبی محرکات کے لیے کچھ الفاظ کا اضافہ یا تبدیلی کی جاتی ہے۔ بدلتی قدریں، رجحانات اور مسائل بھی اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ زبان کا دامن وسیع ہونا چاہیے۔ مگر اس میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کہ دخیل الفاظ زبان کا اس طرح حصہ نہ بن جائیں کہ اصل الفاظ مٹ جانے لگیں اور افہام و تفہیم میں دشواری کا سامنا ہو۔ اردو زبان کی ترقی، تغیر اور نشوونما ہمیشہ کی طرح جاری ہے۔ اس میں انگریزی کے الفاظ کا استعمال اور دخل دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن پاکستانی بچوں کو ابتدائی جماعت سے ہی انگریزی الفاظ کا محتاج بنانا مناسب نہیں۔ زبان اپنے بولنے والوں کے اخلاق، تہذیب اور اجتماعی نفسیات کی حامل ہوتی ہے۔

> ”زبان کا انسانی زندگی میں بڑا عمل دخل ہے۔ ہماری روزمرہ زندگی کی ضروریات، آپس کے کاروبار، مذہبی، قومی، سیاسی، تمدنی، علمی، ادبی، تجارتی معاملات و مسائل میں زبان کا استعمال ناگزیر ہے۔ زبان کے بغیر انسان کی مادی و روحانی ترقی و بقا ممکن

نہیں۔ زبان ہی نے انسان کو نہ صرف انسان بنایا بلکہ اس کو دنیا کی دیگر مخلوق پر فوقیت
بھی دلائی اور عظمت بھی۔ ''(۱)

مختلف ماہرینِ نفسیات بچوں میں زبان سیکھنے اور نشوونما کے عمل میں بچوں کی خداداد صلاحیت، ماحول اور سماجی تناظر کو ایک طاقتور عامل قرار دیتے ہیں۔ والدین اور اردو زبان کے اساتذہ کے لیے ضروری ہے کہ زبان پر اثر انداز ہونے والے عوامل، زبان سیکھنے کے عمل میں کارآمد تدابیر اور مناسب عمر کو سمجھتے ہوئے قومی زبان اردو کی تحصیل اور نشوونما میں بچے کی مدد کریں۔

ا: زبان کا شخصیت سازی میں کردار

شخصیت سے مراد فرد کا کردار، اوصاف، ذہنی، جسمانی رویہ ہے۔ یعنی انسان کے احساس، جذبات، ظاہری اور باطنی اوصاف سے منسوب ہے۔ شخصیت کی تعمیر میں فرد کا اندازِ فکر اور نظریات اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ ہماری سب سے بڑی دولت ہمارے بچے ہیں۔ آنے والی نسل کی شخصیت سازی کے لیے ان کو سازگار ماحول فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ نسلِ نو میں بگاڑ کا مطلب پورے معاشرے کا زوال ہے۔ اس زوال کو روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ بچوں کی روحانی، اخلاقی اور سماجی شخصیت سازی کی جائے۔ تعمیرِ شخصیت میں گھر اور تعلیمی اداروں کا کردار سب سے اہم ہیں۔ شخصیت کی تعمیر میں جذبات پر قابو، محسوسات کا بیان اور باہم گفتگو ابتدائی سبق ہے۔ ہماری قومی زبان اردو جس میں تعمیرِ شخصیت کا بہت سا تحریری مواد موجود ہے۔ بطور مسلم قرآنِ پاک ،احادیث کے تراجم اور بزرگانِ دین کی تعلیمات پر مبنی مواد اصلاحِ احوال کے لیے موجود ہے۔ اردو سے جتنا فاصلہ کم ہو گا اتنا ہی ان علوم سے فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔ اچھی شخصیت کا اظہار مہذب اور شائستہ گفتگو سے ہوتا ہے۔ اسی کے برعکس اگر غیر معیاری زبان استعمال کی جائے گی تو شخصیت بھی غیر معیاری ہی ہو گی۔ شخصیت کے بارے میں ویکی پیڈیا وضاحت کرتا ہے کہ:

"شخصیت فرد کے ذہنی، جسمانی، شخصی، برتاؤ، رویوں، اوصاف اور کردار کے مجموعہ کا نام ہے۔ باالفاظ دیگر اگر سہل انداز میں شخصیت کی تعریف کی جائے تو یہ انسان کے ظاہری و باطنی صفات ، نظریات اخلاقی اقدار ،افعال احساسات اور جذبات سے منسوب ہے۔ ظاہری حسن وجمال وقتی طور پر کسی کی توجہ تو مبذول کر سکتا ہے لیکن کردار کا دائمی حسن ہی انسان کو زندہ جاوید بناتا ہے۔"(۲)

زبان کا جدید تصوّر ارتقائی ہے۔ جس کی وجہ سے زبان کو شخصیت کی نشوونما کا موثر ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی زبان اپنے الفاظ و کلمات سے بالاتر نظام کی حامل ہے۔ زبان کی علامات کیا ہیں کہ جب انسان ابلاغ و اظہار کے استعمال کی جانے والی زبان کو مخصوص علامات میں ظاہر کرتا ہے تو وہ تحریر بن کر سامنے آتی ہے۔ زبان کے یہ لکھے ہوئے حروف ترقی کرتے کرتے ادب بن جاتے ہیں۔ اسی ادبی زبان کو محفوظ رکھا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے ایک نسل اپنے تجربات، روایات اور ثقافت اگلی نسلوں کو منتقل کرتی ہے۔ اسی ادب کی تخلیق سے نسلِ نو کی شخصیت سازی کا کام لیا جاتا ہے۔ موجودہ نسل ادبی تخلیقات کا مطالعہ کرتی ہیں اور معاشرتی شعور حاصل کر کے مطابقت کی راہ ہموار کرتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں کے لیے ادبی تخلیقی تحریک کا سبب بنتی ہے۔

انسانی افکار، ارادے اور تجریدات زبان ہی کے ذریعے وجود پاتے ہیں۔زبان سے یہ غیر مرئی تصاویر کی صورت میں ذہن میں نقش ہوتے ہیں۔ زبان کی تشکیل کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ اور وضاحت ہوتی ہے۔ ذہن میں پائے جانے والے ان خیالات کی زبان کی ہی بدولت درجہ بندی ہوتی ہے۔ یہی لسانی تعین ، تقسیم اور درجہ بندی دنیا کو معنویت بخشتی ہے۔ انسانی ذہن کے اس تخلیقی دور میں اردو زبان کی حفاظت اس لیے ضروری ہوتی ہے کہ تمام معلومات اور احساسات کو اردو جملوں کی شکل میں لکھنے کے لیے اردو الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ سوچ کی بنیاد جن تصوّرات اور خیالات پر اٹھتی ہے بسا اوقات زبان کے سہارے ہی وجود میں آتے ہیں۔ بولنے کی صلاحیت اور اشکال کے ذریعے سے تصوّرات کی ابتدا ہوتی ہے۔ بچے میں یہ دونوں

صلاحیتیں اکٹھی پروان چڑھتی ہیں۔ زبان کے الفاظ دراصل انھی تصوّرات کی علامات ہوتی ہیں، پھر اشیا کے تصوّرات کی بجائے الفاظ کے تصوّرات سے اشیا کو سمجھا جاتا ہے۔ لفظ بول کر شے کا خیال ذہن میں آتا ہے ۔یعنی خیال کا تصوّر ہی پہلی لفظی تصویر ہوتا ہے۔

انسان پیدائشی طور پر بہت لچکدار ہوتا ہے اور اس کی تربیت و نشوونما کئی اطراف میں ممکن ہوتی ہے، لیکن اس کا انحصار اس کے ارد گرد کے ماحول پر ضرور ہوتا ہے۔ زبان مافی الضمیر کے بیان کا واسطہ ہے۔ زبان کے ذریعے سے ہی انسان کی شخصیت کو ایسے نکھارا جاتا ہے کہ وہ معاشرتی مطابقت کے قابل ہو سکے۔ زبان نہ صرف ابلاغ کا ذریعہ ہے بلکہ اس سے ایک تو تفکّر عمل میں آتا ہے اور دوسرا ذاتی تجربات ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے ہیں۔ زبان کے ذریعے سے چوں کہ فکری عمل وجود میں آتا ہے اور اس فکر کے بعد دوسرے تک اس کا ابلاغ ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے سے ایک تہذیب کو اگلی نسل تک پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی زبان کے ذریعے سے انسان کے تفکر، تعقل اور وجدان کی نشوونما ہوتی ہے۔

زبان اللہ کی طرف سے انسان کو ودیعت کیا گیا ایک تحفہ ہے، جو انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ بخشتا ہے ۔زبان کے بغیر ہم ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کر سکتے۔ دورِ حاضر میں دنیا سمٹ رہی ہے، ایسے میں ایک سے زیادہ زبانوں پر عبور فائدہ مند ہے۔ اس سے ترقی کے دروازے کھلتے ہیں۔ اردو کے ساتھ انگریزی زبان کا سیکھنا ترقی یافتہ ملکوں کے ساتھ ثقافتی تعلقات، دوستی اور معاشی تعلقات میں ترقی کا زینہ ہے۔ کسی شخص کی زبان ہی اس کی دنیا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد اشرف کمال:

> ''الفاظ انسان کے خارجی اور داخلی جذبات کی عکاسی کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں ۔انسان جس قسم کے لفظ بولتا ہے وہ اس کی ذہنیت اور مزاج کی عکاسی کرتے ہیں ۔الفاظ زبان کو اور انسانی آوازوں کو تحریری شکل میں دستاویز کی حیثیت سے محفوظ رکھتے ہیں اور محض اشارے ہیں۔۔۔۔۔۔زبان دراصل ایک منظم اور مربوط طابطے کے قانون سے عبارت ہے جس طرح قانون گرفت کرتا ہے اسی طرح الفاظ بھی

انسان کو اپنی گرفت میں رکھتے ہیں۔ الفاظ کے متعینہ معانی و مفہوم کے سبب انسان اپنی کہی ہوئی بات کا پابند ہوتا ہے۔"(۳)

شخصیت سازی کے عمل میں بنیادی کردار انسانی فکر و عقل کا ہے اور فکر کی تشکیل میں زبان مرکزی کردار ادا کرنے والی ہے۔ ذہن میں چھپے خیالات کو تصرف میں لانے کا ذریعہ زبان ہی ہے۔ زبان کو صرف گفتگو تک ہی محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شخصیت کے ان جذبات کے اظہار کا بھی ذریعہ ہے جو سوچ کے نہاں خانوں میں پوشیدہ ہیں۔

ب: دوجذبیت کی حامل زبان کے شخصیت پر اثرات

ہمارے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں بجائے اس کے کہ ہمارے دل میں کیا جذبہ ہے۔ گفتگو کرتے ہوئے بولے جانے والے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرد کی شخصیت کیسی ہے۔ آدمی چاہے کہ لوگ اس کی غیر موجودگی کو محسوس کریں تو اسے چاہیے کہ نرم اور محبت آمیز الفاظ استعمال کرے۔ الفاظ میں نرمی اور خوبصورت الفاظ ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں۔ الفاظ کی طاقت سے شخصیت بن بھی سکتی ہے اور بگڑ بھی سکتی ہے ۔پہلی ملاقات میں اچھے انداز سے ملنے والی شخصیت ہمیشہ یاد رہ جاتی ہے۔ اس کے الفاظ کا جادو چل جاتا ہے۔ دوسری طرف اگر کرخت اور غیر معیاری استعمال الفاظ سننے کو ملیں تو ایسی شخصیت سے دوبارہ ملنا تو درکنار ہم اس کا تذکرہ سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ بچوں کی شخصیت سازی میں الفاظ کا استعمال شروع سے ہی سکھایا جاتا ہے۔ گھر اور سکول میں بولی جانے والی زبان کو بچہ اپنی بات چیت اور تحریر میں لاتا ہے۔ جب ہم اردو سکھانے کا کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے کی شخصیت میں بھی نکھار آئے اور تحریر بھی صاف اور شائستہ ہو جائے۔

دوجذبی زبان کے حامل رجحان رکھنے والی نسلِ نو ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا شکار ہو جاتی ہے کہ جس کے نتیجے میں اپنا ہی مذہب، تاریخ، ثقافت اور زبان سے گریز جنم لیتا ہے۔ زبان و ثقافت کو ہم حواسِ خمسہ سے تعبیر کرتے ہیں کہ انھیں حواسِ خمسہ کے ذریعے سے کوئی بھی شخصیت اپنے ارد گرد کی کائنات کا فہم و ادراک حاصل کرتا

ہے اور اس کے متعلق اپنے ذہن میں ایک تصور قائم کرتا ہے۔ چوں کہ حواسِ خمسہ کا تعلق تعمیرِ شخصیت سے ہے۔ اسی لیے زبان کی بدلتی قدروں سے مخلوط شخصیت جنم لیتی ہے۔

زبان اور شخصیت کے مطالعے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کسی بھی شخصیت کی تحریر سے اس کی نفسیات کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ایڈورڈ سعید نے لکھا ہے کہ:

> "ہر تحریر اپنا مخصوص جینیئس رکھتی ہے، اور اسی طرح دینا کا ہر جغرافیائی خطہ بھی ۔جہاں تک ثقافتی کام کا تعلق ہے تو تخصیعیت اور حاکمیت کے درمیان تمیز کرنا مفید رہے گا۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی مطالعے میں اتنی زیادہ عمومیت لانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ اس تحریر، مصنف یا تحریک کی شناخت ہی مٹ جائے۔"[۴]

دوجذبیت کی حامل زبان کے تذکرے میں پاکستانی بچوں کو اردو تحریر سکھاتے ہوئے غیر زبانوں کے الفاظ سے دور رکھنا بھی اسی لیے ضروری ہے کہ اس سے قومی زبان اردو کی حفاظت ہوتی ہے۔ بچے کی شخصیت کا زبان سے تعلق اس لیے اہم ہے کہ ایک پاکستانی بچے کو اردو زبان میں تخلیقات کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اردو تحریر کا تعلق ذہن کے ساتھ ہے۔ چناں چہ تخلیقی ذہن کو سمجھنے کے لیے ذہنی عمل کو سمجھنا ضروری ہے۔ بعد ازاں، نفسیات کے اس مطالعے میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ادیب پر داخلی اور خارجی کون سے محرکات اثر انداز ہوئے ہیں ۔شعوری اور غیر شعوری طور پر لکھنے والے کی تحریر نے کیا رنگ بدلا ہے ؟ ادب کے جدید مطالعے میں ان تمام محرکات کو سامنے لایا جاتا ہے ۔ اردو زبان کے بجائے غیر زبان کے الفاظ کو بول چال اور انشا پردازی کا حصہ بنانے سے شخصیت بھی دوجذبی بن کر ابھرتی ہے۔

کسی دوسری زبان کے الفاظ اپنی گفتگو میں استعمال کرنے سے دل اور دماغ میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں بہت اہم ہیں۔ جو 'لفظ' تحریر کیا جاتا ہے، اسی لفظ کی تعبیر اور پوشیدہ معارف بھی عیاں ہوتے ہیں۔ تحریر کرنے والا اس لفظ کی تاریخ میں کھو کر اس معاشرے سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اردو زبان چوں کہ قومی اور اپنی زبان ہے چناں چہ تحریر میں اس کے استعمال سے دل و دماغ میں اس زبان اور اس سے وابستہ ثقافت سے آگہی ممکن ہوتی

ہے۔ اسی طرح جب غیر زبان یعنی انگریزی کے الفاظ بول چال میں اس کثرت سے آتے ہیں کہ بچے کو یہ لفظ انگریزی کا تو یاد رہے اور اس کا اردو معلوم ہی نہ ہو، اس صورتحال سے دو رویے جنم لیتے ہیں ایک تو یہ کہ اردو انشا پردازی نہیں ہو سکتی دوسرا یہ کہ اردو کے اس لفظ سے وابستہ ہماری تہذیب سے شناسائی ممکن نہیں۔ لفظ کے استعمال میں ایک فرد کا دل و دماغ دوسرے فرد کے دل و دماغ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس نفسیاتی کشمکش کا اثر بچے کی شخصیت پر پڑتا ہے۔

ج۔ مخلوط اندازِ فکر و عمل کا اظہار

اندازِ فکر کا زبان سے گہرا تعلق ہے۔ زبان کا استعمال کیے بغیر سوچنا ممکن نہیں۔ ہمارے ذہنوں میں بننے والی تصاویر، خاکے، مثالیں ہمیں سوچنے میں مدد دیتے ہیں۔ جو بچے بولنے کی صلاحیت سے محروم ہیں، وہ مثالوں سے ہی سوچتے ہیں۔ لیکن اگر ہم سوچ کے راستوں اور طریقوں پر توجہ کریں تو ہم سمجھ جائیں گے کہ ہماری معلومات، تجربات، سوچ اور زبان کی ہیئتیں ہمارے لاشعور میں محفوظ ہو جاتی ہیں، جب ذہنی سرگرمی شروع کی جاتی ہے تو وہ خیال کی صورت میں پلٹ آتی ہیں اور ہماری عقل کو متاثر کرتی ہیں۔ اس حوالے سے خلیل صدیقی صاحب نے اپنی کتاب 'زبان کیا ہے' میں لکھا ہے:

> ''دوسرا سوال کہ آیا زبان فکر کی پیش رو ہے یا نہیں۔ غور طلب ہے کہ زبان کا سہارا لیے بغیر سوچنا ممکن بھی سمجھا جاتا ہے۔ تمثالوں یا ذہنی تصویروں، نقشوں، خاکوں اور ماڈلوں کے ذریعہ سے سوچنے کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ جو لوگ گویائی اور سماعت سے محروم ہوتے ہیں، وہ تمثالوں کے ذریعے سے سوچتے ہیں۔ لیکن اگر ہم فکر کے مناہج اور طریقوں پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہمارے تجربات، ہماری معلومات، فکر اور زبان کی ہیئتیں، ذہن میں محفوظ ہو جاتی ہیں یا لاشعور میں دبک جاتی ہیں۔ جب ذہنی سرگرمی شروع ہوتی ہے تو وہ یاد یا تخیل یا تصور کی حیثیت سے شعور میں ابھر آتی ہیں یا شعور میں ابھرے بغیر افکار، اقدار، محاکموں، عقلِ سلیم، بصیرت وغیرہ کو متاثر کرتی ہیں۔''[۵]

انسانی فکر کا زبان سے گہرا تعلق ہے۔ الفاظ ہی فکر کی تشکیل کا وسیلہ ہیں۔ فکر کی ترویج میں زبان کا ہی دخل ہوتا ہے۔ زبان سوچ کو بناتی بھی ہے اور اس کو بڑھانے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زبان میں موجود الفاظ سے ہی فکر متعین ہوتی ہے۔ جس حد تک لفظ سے شناسائی ہو گی، اس کے معارف معلوم ہوں گے، اسی قدر مافی الضمیر بیان کیا جا سکے گا۔ اردو سماج میں پلنے والے بچے کے لیے اردو تحریر ہی ضروری ہے۔ کیوں کہ اردو الفاظ کے لطیف پہلوؤں، گہرائیوں اور باریکیوں کا احاطہ اردو جاننے والا بچہ آسانی سے کر سکتا ہے۔ بچے میں فکر کی پرورش کا ابتدائی ذریعہ زبان ہی ہوتی ہے۔ بعد ازاں زبان کی مدد سے ہی سچائی کی تلاش کی جا سکتی ہے۔ ابتدائی عمر میں جو افکار ذہن نشیں ہوتے ہیں، عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ دوبارہ زبان کے ہی وسیلے سے بازیافت ہوتے ہیں۔

اردو زبان کے خاتمے کے لیے انگریزی زبان کا غلبہ، لسانی استعماریت کی ایک مثال ہے۔ اب انگریزی زبان طاقت کا ایک ایسا استعارہ بنتی جا رہی ہے کہ اردو زبان اپنے اصل مقام سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ استعماری سوچ نے استعماری زبان، انگریزی اور اردو میں عدم مساوات کا ایسا سلسلہ پیدا کر دیا تھا کہ آج تک پاکستانی افراد بھی مخلوط فکر کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس کی ابتدا ہندوستان میں انگریز کے استعماری غلبے سے ہوئی، جس کے نتیجے میں ایک ایسا طبقہ وجود میں آ گیا تھا جو اپنے ذہن و فکر کے لحاظ سے انگریز تھا۔ پاکستان کی آزادی کے بعد بھی یہ طبقہ خود کو بہترین ثابت کرنے کے لیے انگریز ہونے کی اداکاری جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کے نتیجے میں اردو زبان میں احساسِ محرومی اور پاکستانیوں میں احساسِ شکست پیدا ہو چکا ہے۔ انگریزی زبان سے محبت کرنے سے بڑی حد تک تفاخر اور زبان کی نرگسیت کے ایسے احساس سے دوچار ہوتے ہیں کہ عمر بھر واپس نہیں آ سکتے۔ ان کے خیال میں ترقی اور حقیقی علم و معرفت صرف اس میں پوشیدہ ہے کہ انگریزی زبان اختیار کی جائے اور اردو کو پسِ پشت ڈال دیا جائے۔ انگریزی زبان، بذاتِ خود استعماری نہیں، بل کہ اس کا سیاسی استعمال ہے، جس کے ذریعے ملکوں کو تباہ کیا جاتا ہے۔ پاکستان بھی نوآبادیات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے باوجود اس صورتحال سے مکمل طور پر نجات نہیں پا سکا آج بھی مقتدر حلقے انگریزی زبان کو اپنی آفاقی شناخت کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

زبان میں تبدیلی اس وقت عمل میں آتی ہے جب کوئی بڑی سماجی تبدیلی رونما ہو جائے۔ اردو زبان کا علاقہ بھی وسیع ہے۔ اس میں تبدیلی کی بہت گنجائش ہے۔ اس تبدیلی کا بھی ایک معیار قائم ہے جس اعتبار سے اس زبان کو جانچا جاتا ہے۔ اردو زبان جامد زبان نہیں ہے۔ اس کی اپنی انفرادی پہچان ہے جو کہ معاشی، سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کے ساتھ قائم ہے۔ اردو زبان کا دیگر زبانوں سے اخذ و قبول کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جامع اردو انسائیکلوپیڈیا، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۲۸۶

۲۔ شخصیت /https://ur.wikipedia.org/wiki

۳۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، لسانیات اور زبان کی تشکیل، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ص ۱۷

۴۔ ایڈورڈ سعید، ثقافت اور سامراج، مترجمہ یاسر جواد، مقتدرہ قومی زبان اردو، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۵۸

۵۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، عاکف بکڈپو، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۶

باب چہارم:

دو جذبی زبان اور انشا پر دازی

اردو میں املا کے ضمن میں کافی کام ہوا ہے مگر انشا پر اگر کچھ لکھا گیا ہے تو وہ بہت کم ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بچوں کو علاحدہ سے انشا پر دازی کے بارے میں پڑھایا نہیں جاتا اور اساتذہ کی بھی توجہ اس طرف نہیں ہوتی۔ دو جذبی زبان کے حامل بچوں میں اردو انشا کے مسائل سے بے اعتنائی اور لاپرواہی میں حالات کے جبر، اساتذہ اور والدین کا برابر حصہ ہے۔ اگر استاد طلبہ میں انشا کی مشکلات کو سمجھے گا تو بچوں کو بھی رہ نمائی فراہم کر سکے گا۔ لفظ کس طرح لکھنا ہے، یہ املا سکھاتی ہے اور جملہ کس طرح بنتا ہے یہ انشا کا مسئلہ ہے۔ عبارت کا حسن اور خوبی بھی انشا سے عبارت ہے۔ رشید حسن خان نے اپنی کتاب 'انشا اور تلفظ' میں لکھا ہے کہ

> ''جملہ لفظوں سے بنتا ہے۔ جملوں سے عبارت بنتی ہے۔ اچھی عبارت کے لیے ضروری ہے کہ جملے بے عیب ہوں۔ بے عیب جملے ہم اس وقت لکھ سکتے ہیں جب لفظوں کو اچھی طرح جانتے ہوں۔ اچھی طرح جاننے کا مطلب یہ ہے کہ تین باتیں ضرور معلوم ہوں: (۱) لفظ کا صحیح املا کیا ہے؟ (۲) اس کے معنی کیا ہیں؟۔ (۳) جملے میں اس لفظ کو کس طرح لانا چاہیے۔ اس تیسری بات میں قواعد، روزمرہ، محاورہ یہ سب شامل ہیں۔''[۱]

مندرجہ بالا معیار جو رشید حسن خاں نے بیان کیا ہے، اس میں انھوں نے لفظ کو جاننے پر زور دیا ہے، یعنی جو لفظ ذہن میں ہے، وہ کیا ہے۔ لازمی بات ہے کہ اردو انشا کے لیے ضروری ہے کہ ذہن میں پایا جانے والا لفظ بھی اردو کا ہی ہو۔ دوسری شرط جو رشید حسن خاں نے بیان فرمائی وہ یہ کہ اس لفظ کے معانی کیا ہیں، یہ اس لیے ضروری ہے کہ انشا پرداز اپنے مافی الضمیر کے بیان میں جذبات و احساسات کی صحیح ترجمانی کر سکے۔ اردو پڑھنے والے والے طلبہ جب اپنے اذہان میں اردو کے بجائے انگریزی کے الفاظ موجود پاتے ہیں تو وہ اپنے خیالات کی

ترجمانی بھرپور انداز میں نہیں کرسکتے۔ ذہن میں موجود انگریزی کا لفظ اردو انشاپردازی میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے لکھا:

> "انگریزی کی تعلیم ضرور دی جائے، مگر قومی زبان اور پاکستانی زبانوں کی قیمت پر نہیں، ہمیں ایک خود آگاہ قوم بننے دیجیے، جس کی اپنی زبان ہو اور اس زبان میں اتنی قوت ہو کہ وہ دوسری قومیں ہماری زبانیں سیکھنے پر مجبور ہو جائیں۔"[۲]

۱: انشاپردازی، خیالات کے اظہار کا ذریعہ

انسان معاشرتی حیوان ہے۔ اپنے جذبات و احساسات کو بیان کرنے میں تسکین پاتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں جذبات کے بیان کے مختلف اور دل چسپ انداز پائے جاتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں چلے جائیں تو لوگ کہاوتیں سناتے نظر آتے ہیں۔ اشعار کی صورت میں اخلاقی درس دیا جاتا ہے۔ بزرگوں کے اقوال و احوال سنائے جاتے ہیں۔ مجالس میں تصوف کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید، وارث شاہ، شاہ عبد الطیف بھٹائی اور سچل سرمست کی کافیاں بھی اظہار جذبات کا ایک کامیاب وسیلہ ہیں۔ پاکستان کا یہ ادبی سرمایہ ثقافت کا حصہ ہے۔ اس میں بڑی جاذبیت اور تنوع ہے۔ بحثیتِ مجموعی پاکستانی ادب مزاج، کردار اور تصورات کا آئینہ دار ہے۔ ادب کی اس وسیع اور خوبصورت دنیا میں ہمیں بہادری اور شجاعت کے کارنامے، غیرت و حمیت کی داستانیں، زندگی کی تلخ اور شیریں حقیقتیں، عوامی آرزوئیں، زندگی کے نظریات اور قدریں، احساسِ کامیابی و کامرانی، محبتوں کے اظہار کے مختلف پیرائے روشنیاں پھیلاتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہ ہی ادب ہماری معاشرت کا حصہ ہے۔

اردو ایک ایسی زبان ہے جس میں بہت سی زبانوں کے الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔ یہ اردو زبان کی خوبصورتی ہے کہ اس کا دامن وسیع ہے۔ ہمارے ہاں بھی بہت سے انگریزی کے الفاظ، اردو زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ ایسے الفاظ کا اردو انشا میں استعمال برا نہیں ہے۔ یہ الفاظ ہماری زبان میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ غیریت باقی

نہیں رہی ۔ عربی اور فارسی کے بہت سے الفاظ اردو کا حصہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اردو ایک ملی جلی زبان ہے ۔ عربی، فارسی اور انگریزی کے الفاظ مل جل کر ایک ہی زبان کے سانچے میں ڈھل چکے ہیں۔ مثلاً اسکول، اسٹیشن، تھرمامیٹر، ناول، فلم، ٹیلی ویژن، ہائیڈروجن، آکسیجن، پنسل، اسپیکر، وغیرہ۔ اس طرح کے بہت سے الفاظ، جو اردو میں شامل ہو چکے ہیں۔ اب اگر 'تھرمامیٹر' کی بجائے 'مقیاس الحرارت' کہا جائے تو سننے والا حیرت بھی محسوس کیا جائے گا اور زبان بھی وزنی محسوس ہو گی۔ چناں چہ اب ہم ان تمام الفاظ کو اردو ہی مانتے ہیں، اگرچہ ہمارے پاس ان تمام الفاظ کا اردو میں بدل موجود ہے ۔ایسی صورت میں انگریزی الفاظ لانا غیر ضروری ہے ۔ ان الفاظ کے ساتھ اردو کو بگڑی ہوئی اردو ہی کہا جائے گا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ انگریزی کے یہ تمام الفاظ بھرتی کیے گئے ہیں۔ اب ہم فارسی، عربی اور انگریزی کے ان الفاظ کے تلفظ کو ان زبانوں کی بجائے اردو میں ادا کرتے ہیں۔ تلفظ کی ادائیگی کے اس انداز میں اگر کوئی کہے کہ 'اصل زبان میں اس کا تلفظ یہ ہے، ایسے ہی ادا کیا جائے' تو جواب یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں، اردو میں آنے کے بعد ان الفاظ کا تلفظ بھی اردو میں ہی ادا کیا جائے گا۔

گفتگو کے لیے متکلم، سامع اور الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔ یہ الفاظ سننے والے تک براہِ راست نہیں پہنچ سکتے بل کہ اس کے لیے آواز کا استعمال کیا جاتا ہے جو قوتِ سماعت کے ذریعے سے وصول کی جاتی ہیں۔ ایسا عمل جس میں ترسیل اور وصولی کا کام ہوتا ہے۔ ترسیل میں آواز کے اجرا کا وہ عمل ہوتا ہے کہ جسے میڈیم کہتے ہیں۔ دوسرا عمل جس میں سننے والا اپنی سماعت کے ذریعے میڈیم کو وصول کرتا ہے اور وصول ہونے والے الفاظ کو پہلے سے موجود معلومات کی مدد سے معنویت بخشتا ہے اور گفتگو کے مواد کو سمجھتا ہے۔ بولنا اور سننا بظاہر معمولی مگر نہایت پیچیدہ اعمال ہیں۔ یہی اعمال ہیں جن سے زبان بولنے والے کی نفسیاتی حالت کا جائزہ لیا جاتا ہے ۔ بولنے والا جب خیالات کا اظہار چاہتا ہے، دماغ کا ایک حصہ متحرک ہوتا ہے، حافظے سے کام لے کر مطلوبہ مواد کو الفاظ کی شکل دیتا ہے، آواز کی صورت میں آنے والی صوت جس کو دماغ کا ایک حصہ کنٹرول کرتا ہے اور نتیجہ یہ کہ تکلم کی صورت میں آواز کا اجرا ہوتا ہے۔ یہ سارا طبیعاتی عمل ہے۔ تحریر میں بھی یہی سارا

عمل دہرایا جاتا ہے بس تکلم کی بجائے الفاظ، تحریر کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ اظہارِ جذبات کا دوسرا وسیلہ تحریر ہے۔ تحریر کو پڑھ کر معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ اس میں دیکھنے کی قوت کام کرتی ہے۔ منہ سے نکلنے والی آوازیں اور لکھی گئی تحریریں دونوں مجموعی طور پر زبان کہلاتی ہیں۔ زبان کے ماہرین کے نزدیک صرف آواز کے اجرا سے ہی زبان تشکیل نہیں ہوتی جب تک کہ زبان کی قدریں متعین نہ ہوں۔

زبان کی حفاظت میں تحریر ہی مقدم رہی ہے۔ زبان کا لسانی اظہار، ترسیل و وصول اور ترکیبات اپنی جگہ اہم ہیں ۔ مگر تحریر کے ذریعے سے ہی زبان کی اصل قائم رہتی ہے۔ اردو املا کے لیے ہر دور میں اصلاحی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ کیوں کہ جب تحریر میں تبدیلی آتی ہے تو بول چال میں بھی زبان تبدیل ہو جاتی ہے۔ املا سے تلفظ تبدیل ہونے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

عربی، فارسی، انگریزی، پنجابی اور گجراتی کے الفاظ پر مشتمل یہ زبان پاکستان کے ہر علاقے میں سمجھی جاتی ہے۔ اس کی نشوونما میں ہر مذہب و ملت کا حصہ رہا ہے۔ مختلف قوموں اور نسلوں کے باہمی اختلاط سے اس میں ایک خوبصورتی اور کشش پیدا ہو گئی ہے۔ یہ زبان ایک مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار ہے۔

زبان کے کردار کو سمجھنے کے لیے بول چال اور تحریر کی بنیادی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ پاکستان میں انگریزی الفاظ کو گفتگو کا حصہ بنانا فخر سمجھا جاتا ہے۔ بچوں کو اردو بول چال میں انگریزی کے الفاظ سکھا کر بہت سے خاندان خود کو زیادہ خواندہ ثابت کرتے ہیں۔ اردو تحریر سے اردو الفاظ سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے، جب کہ بول چال میں استعمال ہونے والے الفاظ سے ہی تحریر جنم لیتی ہے نا کہ تحریر سے الفاظ درست لیے جائیں۔ زبان کی ساخت کا دارومدار بول چال پر ہی ہوتا ہے۔ زبانیں بول چال سے ہی نسل در نسل منتقل ہوتی اور ارتقائی منازل طے کرتی رہی ہیں۔ اسی بول چال کی بنیاد پر ہی زبان کے دوسرے میڈیم وجود میں آتے ہیں
۔

ب: انشا پردازی کی مبادیات

انشا پردازی کا مطلب ہے، خیالات کو تحریری شکل دینا۔ اردو انشا پردازی کا آغاز بھی اردو کی ابتدا کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ جب خیالات کو تحریر کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو سوچا گیا کہ کس طرح خیالات کو خوبصورت الفاظ میں پیش کیا جائے کہ پڑھنے والا تحریر میں موجود خوشی، غمی، محبت، نفرت اور حیرت وغیرہ کے جذبات کو اسی طرح محسوس کر سکے جس طرح انشا پرداز لکھنا چاہتا ہے۔ ایک کامیاب انشا پرداز کی یہی مہارت ہوتی ہے کہ وہ الفاظ کو ایسے رنگ میں پیش کرے کہ قاری اس میں محو ہو جائے۔ 'فرہنگِ آصفیہ' میں انشا کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں:

"(۱) کچھ بات دل سے پیدا کرنا

(۲) عبارت، تحریر

(۳) عملِ معانی و بیان

(۴) وہ کتاب جس میں خط و کتابت سکھانے کے واسطے ہر قسم کے خطوط جمع ہوں۔ لیٹر بک۔ چٹھیوں کی کتاب۔"(۳)

انشا پردازی میں انشا پرداز الفاظ اور جملے اس ترتیب سے لکھتا ہے کہ تحریر میں حسن پیدا ہو جاتا ہے اور پڑھنے والے کے دل میں یہ تحریر اترتی جاتی ہے۔ ابتدا میں انشا کا مطلب سرکاری احکام اور خطوط لیے جاتے تھے۔ اب اپنے خیالات، جذبات، احساسات، تصورات اور مافی الضمیر کو اچھے الفاظ اور خوبصورت انداز سے تحریر کرنے کا نام انشا پردازی ہے۔ انشا پردازی کا تعلق محرر کے تخیلات سے ہوتا ہے، اس لیے الفاظ پر اس کی گرفت ہونا بہت ضروری ہے۔ جذبات کو الفاظ کی صورت میں ڈھالنا تب ہی ممکن ہے جب لکھنے والے کی حسِ جمالیات اس حد تک ہو کہ وہ اردو لفظ کی تاریخ بھی جانتا ہو اور اس کو برتنا بھی جانتا ہو۔

زبان کے نظام میں صرف، نحو، الفاظ اور جملے بنیادی ساخت کا کام کرتے ہیں۔ لہٰذا زبان کی بنیادی ساخت کا علم حاصل کیے بغیر زبان سیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ ماہرینِ لسانیات کا کہنا ہے کہ زبان استعمال کرنے والا اگر اس سے

واقف نہ ہو جس سے زبان کی تشکیل ہوتی ہے تو وہ صحیح طور پر زبان کا استعمال نہیں کر سکتا۔ باہم گفتگو کرنے والے دو اشخاص اس لیے گفتگو سمجھ لیتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی زبان سے واقف ہوتے ہیں۔ یعنی اردو میں بات کرنے والے اس لیے آسانی سے تبادلہ خیالات کر لیتے ہیں کہ دونوں اردو جانتے ہیں۔ چناں چہ جس حد تک دونوں میں زبان کے نظام کا علم پختہ ہو گا اسی حد تک سہولت اور معنویت کے ساتھ زبان کا استعمال ہو سکے گا۔ آواز کو سننے کے بعد سامع ان آوازوں کی شناخت کرتا ہے اور شناخت کے اس عمل میں صوتی اکائیوں کو سمجھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ بعض ماہرین کے نزدیک غیر مادری زبان سیکھنے کے لیے تو صوتی اکائیوں کو جاننا ضروری ہے جب کہ مادری زبان سیکھنے میں اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ مادری زبان سیکھنا ایک اکتسابی اور سماجی عمل ہے لہذا ہر شخص اس طرح زبان سیکھتا ہے جس طرح کی کھانا، پینا اور دوڑنا سیکھتا ہے۔

زبان کی تشکیل میں اوّل اہمیت آوازوں کی ہے اس کے بعد ان آوازوں کی علامات یعنی حرف اور جملے اہم ہیں ۔ بول چال میں عموماً جملے ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔ پھر زبان کی ابلاغی حیثیت ہے۔ موثر ابلاغ سے ہی کلام با معنی ہوتا ہے ۔ جملہ دراصل با معنی کلام کے صوتی سلسلے پر مشتمل ہوتا ہے ۔ جملہ زبان کی اکائی ہے ۔ انشا پردازی میں بھی بچہ پہلے پہل زبان کے کلمے دہراتا ہے۔ ارد گرد کی اشیا کے نام سیکھتا ہے۔ گویا ابتدائی طور پر سیکھے گئے کلمے جس زبان کے الفاظ پر مشتمل ہوں گے وہی زبان تحریر میں آئے گی۔ اگرچہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ الفاظ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ غلطیاں دور ہوتی رہتی ہیں۔ الفاظ کی کائنات وسیع ہوتی جاتی ہے۔

اردو اسلوبِ بیان میں انشاپردازی کی انفرادیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بچوں کو اردو انشا کی اہمیت اور خوبیوں کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ ابتدا میں نثر کی مشق کروانا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ نثر ردیف، قافیہ کی حدود سے پاک اور اظہارِ خیال کا وسیلہ ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے بھی نثر کا دامن، بچے کی حد تک وسیع ہے۔ بچے کی نثر میں خوبصورتی اس وقت پیدا ہو گی جب وہ تحریر کے لیے مطلوبہ الفاظ کا ذخیرہ موجود پائے گا۔ محی الدین قادری نے 'اردو کے اسالیبِ بیاں' میں لکھا ہے کہ:

"اپنی تحریر میں اثر اور دوامیت پیدا کرنے کے لیے کسی انشا پرداز کا پہلا فرض یہ ہے
کہ وہ جس کیفیت کو ظاہر کرانا چاہتا ہے اس قسم کی کیفیت پہلے خود پر طاری کر لے
۔ورنہ اس کی تحریر میں مناسب مدوجزر ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔"(۴)

ج: دو جذبی زبان اور انشا پردازی

اسکول میں طلبہ کو باہم گفتگو کرتے ہوئے سنیں تو کچھ ایسا مکالمہ ملے گا۔

ایک نے کہا: میں ایوننگ میں ایک فرینڈ کے گھر گیا تھا۔ ڈنر کر کے واپس آیا۔ پھر فادر کے ساتھ شاپنگ کرنے نکل گیا۔

دوسرا: میں تو اٹھا ہی لیٹ، بریک فاسٹ کر کے پلے گراونڈ چلا گیا، ایوننگ تک میچ کھیلا، واپس آیا تو باڈی پین اور فیور ہو گیا۔

ہم محسوس کریں تو اس گفتگو میں انگریزی کے بہت سے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ انگریزی کے یہ الفاظ ہماری روزمرہ کی زبان میں شامل ہو کر اردو کا حصہ بن چکے ہیں۔ جب کہ یہ تمام الفاظ ایسے ہیں کہ جن کو اردو میں بھرتی کیا گیا ہے۔ حالاں کہ ان کے بدل موجود ہیں۔ یہ عبارات ایسے بھی ہو سکتی تھیں۔

'میں شام کو دوست کے گھر گیا، کھانا کھا کر واپس آیا، پھر ابا جان کے ساتھ خریداری کے لیے چلا گیا۔" میں تو اٹھا ہی دیر سے، ناشتا کر کے کھیل کے میدان میں چلا گیا، شام تک کھیلتا رہا، واپس آیا تو جسم درد اور بخار ہو گیا'۔

ایسی عبارتوں میں اردو کے الفاظ با آسانی لائے جا سکتے ہیں۔ انگریزی الفاظ کی یہ پیوند کاری اردو عبارت کا حسن بگاڑ دیتی ہے۔ ایسی عبارت سیکھنے والے طلبہ اردو انشا پردازی میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ انگریزی الفاظ کے ظاہری معنی معلوم ہونے کی وجہ سے اردو ادب کی تخلیقی ضرورت کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔ لفظ کے ایک معنی جو عام مفہوم میں سب جانتے ہیں، مگر ایک معنی کے بھی معنی ہوتے

ہیں۔ جس میں معنی کو کسی شئے سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ اشیا خارجی بھی ہو سکتی ہیں اور معروضی بھی۔ معنی کو ایک تصور بھی سمجھا جاتا ہے۔ 'زبان کیا ہے' میں خلیل صدیقی نے لکھا ہے:

> "عام مفہوم میں معنی کے معنی سب جانتے ہیں لیکن اس کی وضاحت کرنا مشکل ہے بادی النظر میں 'معنی' سے مراد وہ شے ہے جسے موسوم کیا جاتا ہے شے خارجی و معروضی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً کتاب، کرسی وغیرہ۔ حالت، حرکت و عمل، کیفیت اور مجرد تصور بھی مثلاً خوشی، مار پیٹ، بہادری وغیرہ بھی۔ معنی کو ایک تصور کی حیثیت سے بھی سمجھا جاتا ہے اور بیوہار (Behavior) کی حیثیت سے بھی۔ سچ پوچھیے تو معنی ایک طرح کی تجرید ہے جس کی اساس ایک ہی زمرے کے واقعات، حقائق، تجربات یا اشیا کی مشترکہ خصوصیات پر ہوتی ہے۔"(۵)

لفظ کے معانی اور معانی کے معانی ایک مکمل تصور کے عکاس ہوتے ہیں۔ اردو ذخیرہ الفاظ سے تہی ذہن اردو تہذیب و ثقافت کا بیان نہیں کر سکتا۔ اردو سماج میں رہنے والے بچے کی تحریری اور تخلیقی صلاحیتوں کے نکھار کے لیے انگریزی کے بجائے ابتدا سے ہی اردو الفاظ سکھانا ضروری ہیں۔ کوئی بچہ زبان سیکھ کر پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی طلب اور ماحول کی بول چال اسے زبان سکھاتی ہے۔ بچپن میں سیکھے گئے الفاظ ہی اس کی زبان کی مبادیات کہلاتے ہیں۔ کیا سیکھا گیا اور کون سے الفاظ سیکھے گئے یہ سب اہم ہے۔ بچہ سنے ہوئے جملوں پر ہی قیاس کرتے ہوئے جملے بناتا ہے۔ بچے کی پہلی زبان وہی ہے جسے وہ پہلے پہل سنتا ہے۔ اس 'پہلی زبان' کے الفاظ سیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اعضا اس سے پہلے کسی زبان سے آشنا نہیں ہوتے۔ بچہ جب انگریزی کے الفاظ پہلی دفعہ سیکھ جاتا ہے تو اردو زبان کے الفاظ سکھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ دو زبانیں سیکھنا اور بچے کی ابتدائی عمر میں صرف انگریزی الفاظ سکھا دینا دو مختلف باتیں ہیں۔ 'پہلی زبان' میں صرف اردو کے الفاظ شامل ہوں گے تو یہ صوتی عادتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں انگریزی کے الفاظ بطور دوسری زبان کے سیکھ بھی لیے جائیں، پہلی زبان میں انگریزی کے زبان

شامل ہوں تو غیر شعوری طور پر اپنا اثر دکھاتے رہتے ہیں اور اس حالت میں بچہ اردو انشا پردازی میں بہت مشکل محسوس کرتا ہے۔

د: طلبہ میں اردو انشا پردازی اور املا کا جائزہ

اردو انشا پردازی میں دو جذبیت کی حامل زبان کا جائزہ لینے کے لیے طلبہ ،والدین اور اساتذہ سے سوال نامے کے ذریعے سے معلومات اکٹھی کی گئیں۔ طلبہ سے دو سوالات ان کی اردو مضمون میں دل چسپی اور الفاظ کی پہچان کے حوالے سے کیے گئے ہیں۔ ایک سوال میں طلبہ کی انشا پردازی میں دو جذبی زبان کے جائزے کے لیے انھیں اپنے گزرے ہوئے دن کی تفصیلات تحریر کرنے کے لیے دو منٹ کا وقت دیا گیا۔ بچوں کی تحریر میں انگریزی الفاظ کی آمیزش کا جائزہ لیا گیا۔ والدین اور اساتذہ سے بھی سوالات کیے گئے۔ والدین سے سوالات کا مقصد ، گھر میں انگریزی الفاظ کے استعمال اور دو جذبی زبان کے مسئلے کی نزاکت کا جائزہ تھا۔ اردو پڑھانے والے اساتذہ سے مجھے یہ معلومات ملیں کہ آج کل کے طلبہ اردو کو بطور مضمون کس حد تک پڑھنا چاہتے ہیں، ان کی دل چسپی اور اردو الفاظ کو سمجھنے کی صلاحیت کس حد تک ہے۔

ا۔ طلبہ کے کوائف (جن کی انشا پردازی کی صلاحیت کا تجزیہ کیا گیا):

نمبر شمار	نام	حیثیت	درجہ	اسکول
۱	نجیبہ فاطمہ	طالب علم	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۲	زینب عباسی	طالب علم	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۳	ملائکہ شہزادی	طالب علم	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۴	محمد علی	طالب علم	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
۵	احمد اعزاز	طالب علم	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
٦	ارسلان احمد	طالب علم	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
۷	احمد	طالب علم	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی

۸	نورالعین	طالب علم	نہم	الائیڈ سکول،راولپنڈی
۹	صابر علی	طالب علم	نہم	الائیڈ سکول،راولپنڈی

۲۔ پوچھے گئے سوالات اور ان کے مقاصد:

نمبر شمار	سوال	مسئول	سوال کا مقصد
۱	کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے؟	طالب علم	صرف اردو الفاظ پر مشتمل گفتگو میں دل چسپی کا جائزہ
۲	کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آ جاتے ہیں؟	طالب علم	اردو الفاظ کی پہچان کا جائزہ
۳	آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟	طالب علم	اردو انشاپردازی کی تخلیقی صلاحیت میں دو جذبی زبان کے استعمال کا جائزہ

۳۔ طلبہ کی طرف سے دیے گئے جوابات کا تجزیہ:

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے؟

تعداد طلبہ	اردو گفتگو میں دل چسپی	اردو گفتگو میں عدمِ دل چسپی
۹	۴	۵
	۴۴فی صد	۵۶فی صد

سوال نمبر ۲: کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آ جاتے ہیں؟

تعداد طلبہ	ہاں	نہیں

۹	۲	۷
	۲۲فی صد	۷۸فی صد

سوال نمبر ۳: آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

(اس سوال کے جوابات میں لکھی گئی عبارات کو من و عن تحریر کیا جاتا ہے تاکہ تجزیہ کرنے میں آسانی ہو)

عبارت نمبر ۱:

"میں کل ۷ بجے اٹھی تھی۔ پہلے برش کیا، منہ دھویا۔ پھر بریڈ کے دو پیس لیے۔ تیار ہوئی۔ بیگ اٹھایا اور وین پر سکول آگئی۔ یونیفارم تھوڑا گندا تھا اس لیے mam نے آتے ہی punishment دے دی اور تھوڑی دیر کھڑا رکھا۔ پھر کلاس میں آگئی۔ پڑھتے رہے۔ چھٹی ہو گئی پر وین والے انکل لیٹ ہو گئے۔ گھر جاتے جاتے ۳ بج گئے۔۔۔"(۶)

تحریر کا دورانیہ	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۲منٹ	۶۰	۵۰	۱۰	۱۷فی صد

عبارت نمبر ۲:

"میری ماما teacher ہیں اس لیے ہم جلدی اٹھ جاتے ہیں۔ میں ماما کے ساتھ کچن میں help کرتی ہوں۔ کل پہلے میں نے بریڈ اور آملیٹ کا ناشتہ کیا پھر یونیفارم پہنا۔ بیگ میں books دیکھیں اور ماما نے مجھے سکول ڈراپ کیا۔ رش کی وجہ سے لیٹ ہو گئی تھی۔ پھر۔۔۔"(۷)

تحریر کا دورانیہ	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۲منٹ	۵۰	۴۰	۱۰	۲۱فی صد

عبارت نمبر۳:

"میں کل لیٹ اٹھی تھی کیونکہ بابا کے موبائل کا الارم نہیں ہوا تھا۔ مجھے جلدی جلدی ناشتہ کرنا پڑا۔ ماما نے بھائی کو اٹھایا کہ مجھے ڈراپ کر کے آئے مگر اس کا میچ تھا۔ پھر بابا کے ساتھ ہی bike پر سکول آگئی۔ وہ مجھے چھوڑ کر آفس چلے گئے۔۔۔۔"(۸)

تحریر کا دورانیہ	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۲منٹ	۵۳	۴۹	۴	۸فی صد

عبارت نمبر۴:

"میں کل اپنی وین پر سکول آیا۔ سکول کے بعد میں گھر چلا گیا۔ پھر سو گیا۔ 5 بجے اٹھ کر ہوم ورک کیا۔ بیگ بند کر کے بھائی کی شاپ پر چلا گیا۔ ہماری موبائل اسیسریز کی ہول sale شاپ ہے۔ شام 8 بجے واپس آیا۔ کھانا کھایا۔ تھوڑی سی movi دیکھی اور سو گیا۔۔۔۔"(۹)

تحریر کا دورانیہ	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۲منٹ	۵۴	۴۷	۷	۱۳فی صد

عبارت نمبر۵:

"کل صبح لیٹ ہو گیا تھا۔ سکول آنے کا دل نہیں تھا پھر بھی اٹھ کے پراٹھے اور ہاف fri کا ناشتہ کیا۔ سکول میں test تھا ۔fit ہو گیا۔ سکول سے چھٹی کے بعد گھر آ کر سو گیا۔ شام کو جم جانا ہوتا ہے۔ ایکسر سائز کر کے آیا، فریش ہوا۔۔۔"(۱۰)

انگریزی الفاظ کی آمیزش	انگریزی الفاظ	اردو الفاظ	تحریر شدہ کل الفاظ	تحریر کا دورانیہ
۹فی صد	۸	۴۵	۵۳	۲منٹ

عبارت نمبر۶:

"میں کل اپنے ابو جی کے ساتھ سکول آیا تھا۔ ہم سیکنڈ ہینڈ چیزوں کا کام کرتے ہیں ۔کباڑ کا۔ واپسی میں لوکل پے جاتا ہوں ۔کل ہمارے گھر میرے انکل کی منگنی کا فنکشن تھا۔ اس لیے پہلے شاپنگ کے لیے کمرشل مارکیٹ جانا تھا۔ وہاں چلا گیا۔ اپنے لیے پینٹ خریدی۔ انکل کے لیے گفٹ بھی لیا۔۔۔"(۱۱)

انگریزی الفاظ کی آمیزش	انگریزی الفاظ	اردو الفاظ	تحریر شدہ کل الفاظ	تحریر کا دورانیہ
۱۵فی صد	۸	۴۴	۵۲	۲منٹ

عبارت نمبر۷:

"کل کا دن اچھا گزرا۔ سکول میں monthly assesmnt تھی۔ جو کہ بالکل بھی اچھی نہیں ہوئی۔ میم ناراض ہو گئی اور موڈ آف کر لیا۔ میں نے sory بھی بولا۔ پھر سکول میں brake time میں لنچ کیا۔ کل چھٹی کے بعد کافی لیٹ ہو گیا۔ انکل لیٹ ہو گئے۔ گھر جا کر یونیفارم اتارا۔ کھانا کھایا اور سو گیا۔ پھر ہوم ورک کیا۔۔۔"(۱۲)

تحریر کا دورانیہ	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۲منٹ	۵۹	۴۶	۱۳	۲۲فی صد

عبارت نمبر ۸:

"کل میں پورے ٹائم پر سکول آ گئی۔ ہمارے pt سر بہت خوش ہوئے۔ پھر ہماری میتھ والی میم کی کلاس سٹارٹ ہو گئی۔ میں گھر سے لنچ لے کر آتی ہوں۔ ہم ساری فرینڈز شیئر کر کے لنچ کرتے ہیں۔ میں fried rice لائی تھی۔ سکول سے چھٹی کے بعد میں گھر چلی گئی۔ شوز اور یونیفارم تبدیل کیا۔۔۔"(۱۳)

تحریر کا دورانیہ	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۲منٹ	۵۴	۴۲	۱۲	۲۳فی صد

عبارت نمبر ۹:

"میرا کل کا دن اچھا تھا کیونکہ میرے بابا UK سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کا وہاں پر اپنا بزنس ہے۔ کل شام ہم ڈنر کے لیے اسلام آباد گئے تھے۔ بابا کی برتھ ڈے تھی۔ ہم بہت خوش تھے، ہم نے بابا کو wish کیا اور گفٹ بھی دیے۔ بابا کا موڈ کافی اچھا تھا۔ ہم نے کھانا کھایا اور بابا نے ہمیں شاپنگ بھی کروائی۔۔۔"(۱۴)

تحریر کا دورانیہ	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۲منٹ	٦٧	۵۹	۸	۱۲فی صد

۴۔اردو انشا پردازی میں اوسطاً انگریزی الفاظ کی آمیزش:

کل طلبہ (جن کی انشا پردازی کا تجزیہ کیا گیا)	تحریر شدہ کل الفاظ	اردو الفاظ	انگریزی الفاظ	انگریزی الفاظ کی آمیزش
۹	۵۰۲	۴۲۵	۷۷	۱۵فی صد

درجہ بالا تحقیق میں نو طلبہ کو کلاس میں تخلیقی لکھائی کے لیے کہا گیا۔ تحریر شدہ الفاظ کا جائزہ لینے پر اوسطاً ۱۵ فی صد انگریزی الفاظ کا استعمال پایا گیا۔ اردو انشا پردازی میں دوجذبی زبان کے الفاظ کی پندرہ فی صد آمیزش پریشان کن ہے۔

۵۔طلبہ کے کوائف (جن کی لکھائی کا تجزیہ کیا گیا):

نمبر شمار	نام	حیثیت	درجہ	اسکول
۱	مریم ریاض	طالب علم	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۲	فاطمہ نعیم	طالب علم	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۳	مناہل اکبر	طالب علم	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۴	محمد رضا	طالب علم	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
۵	ایمن خان	طالب علم	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
۶	علشبا جاوید	طالب علم	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
۷	ظفر اقبال	طالب علم	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی
۸	عاطف منیر	طالب علم	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی
۹	محمودہ شاہد	طالب علم	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی

٦۔ پوچھا گیا سوال اور اس کا مقصد:

نمبر شمار	سوال	مسئول	سوال کا مقصد
١	اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کا کام" میں سے کچھ دکھایئے	طالب علم	دورانِ تدریس اردو لکھائی / تحریر میں دو جذبی زبان کے استعمال کا جائزہ

۷۔ طلبہ کے "گھر کے کام" کا تجزیہ:

سوال نمبر ١: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھایئے۔

(اس سوال کے جوابات میں طلبہ کے "گھر کے کام" کی کاپیوں کے صفحے کا عکس پیش کر کے تجزیہ کیا گیا ہے)

عکس نمبر ا:
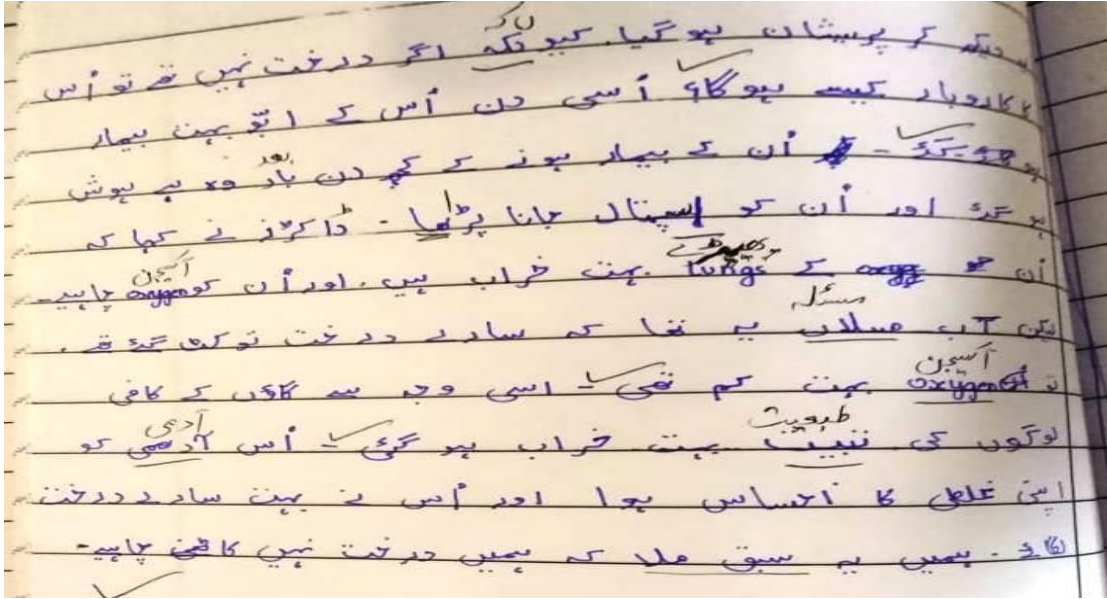
(۱۵)

غلط	درست	غلط	درست	غلط	درست
کیونکہ	کیوں کہ	باد	بعد	پڑھا	پڑا
Lungs	پھیپھڑے	oxygen	آکسیجن	مسلاں	مسئلہ
تبیئت	طبیعت	آدھمی	آدمی	چاہیے	چاہییں

تجزیہ:

تحریر کی نوعیت	کل الفاظ	غلط	درست	لکھائی کی غلطیاں
تخلیقی / کہانی	۱۱۳	۹	۱۰۴	۸ فی صد

عکس نمبر ۲:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدھمی تھا جو ایک درخت
کو کاٹھتا تھا۔ وہ بہت بدمزاج تھا۔ ایک دن اُس
کو ایک بہت بڑھی اور اُوچی سیب کا درخت نظر آیا
اُس نے سوچا کہ اُس کاٹنا چاہیے۔ جب وہ درخت
کے پاس گیا تو وہ رو رو کر آدھمی سے کہہ رہا
تھا کہ اُسے نا کاٹھے۔ لیکن اُس نے اسکی ایک نہ
سنی اور اُس کو کاٹا۔ اُس کے باد وہ ہر دن بہت ساری
درخت کاٹتا۔ ایک دن اُسے نظر آیا کہ اُس
کے گاؤں میں درخت ختم ہو گئے ہیں۔ وہ

(۱۶)

درست	غلط	درست	غلط	درست	غلط
نہ	نا	بڑا اور اونچا سیب کا درخت	بڑی اور اونچی سیب کا درخت	آدمی	آدھمی
بعد	باد			کاٹتا	کاٹھتا
بہت سارے درخت	بہت ساری درخت			کاٹے	کاٹھے

تجزیہ:

لکھائی کی غلطیاں	درست	غلط	کل الفاظ	تحریر کی نوعیت
۱۳ فی صد	۸۰	۱۲	۹۲	تخلیقی / کہانی

عکس نمبر ۳:

ایک دافا کا زکر ہے۔ ایک لکڑ یارا، ایک گاؤں میں گیا۔ وہ لکڑی یا
کاٹ نے کیلیئے گیا تھا۔ وہ ایک سیب کے درخت کے پاس گیا تو
اس کو بھت بھوک لگی۔ اس نے ایک سیب کھالیا۔ وہ سیب
کہانے کے باد انگوٹھا آرام کیا وہ آرام کرنے کے باد درخت
کو کاٹنے لگا۔ جیسے ہی وہ درخت کاٹ نے لگا تو اس کو
دھک ہو راہا تھا۔ اس نے اپنا کام ہی چوڑ دیا یہ سوچ کر
62
معلمہ دستخط

(۱۷)

غلط	درست	غلط	درست	غلط	درست
دافا	دفعہ	کیلیئے	کے لیے	باد	بعد
لکڑی یا	لکڑیاں	بھت	بہت	باد	بعد
کاٹ نے	کاٹنے	کہانے	کھانے	کاٹ نے	کاٹنے
دھک	دکھ	راہا	رہا	چوڑ	چھوڑ

تجزیہ:

تحریر کی نوعیت	کل الفاظ	غلط	درست	لکھائی کی غلطیاں
تخلیقی / کہانی	۷۹	۱۲	۶۷	۱۵فی صد

عکس نمبر ۴:

یہ لہو میرے دم سے یوہیں میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

طالب معاشرے کا قابل قدر اور حساس طبقہ ہیں۔ انہیں کو ملک و قوم کا
مستقبل سنبھالنا ہے۔ پوری قوم کی پاکستان کی تعمیر اور ترقی کا انحصار ان کی اعلیٰ
تھربیت پر ہے۔ طلبہ ملک و ملت کے مقدر کا ستارہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے لیے ضروری
ہے کہ وہ ایک مقد کو سامنے رکھ کر تعلیم حاصل کریں۔ جب معد متعین ہوگا تو راستے
خود بخود آسان ہو جائیں گے

ایک طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنی بترین عادت کی وجہ سے اپنے اردگرد
رہنے والے لوگوں کو متاثر کرے اور ہر جگہ پر وقار نظر آئے۔ سب سے
پہلے وقت کی پابندی کرے۔ وقت وہ دولت ہے جو خریدی نہیں جا سکتی
صبح سکول جلدی جانے کے لیے رات کو جلدی سوئے۔ وقت پر سکول
پہنچے۔ سکول کے تمام قواعد ضوابط کا خیال رکھیں۔ اسمبلی میں قطار
بنا کر جائے۔ قومی طرانہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ پڑھے۔ اساتذہ کے ساتھ
ادب سے پیش آئے۔ استاد جب پرھا رہا ہو تو توجہ اور دلچپسی سے سنے۔
جماعت کا کام وقت پر کرے۔ اور جماعت کے کام میں شور نہ کرے۔ اپنے ہم
جماعت کے پڑھائی میں مدد کرئے۔ کسی کے ساتھ بتمیزی سے پیش نہ آئے

(۱۸)

غلط	درست	غلط	درست	غلط	درست
تھربیت	تربیت	معد	مقصد	مقد	مقصد
بترین	بہترین	رکھیں	رکھے	طرانہ	ترانہ
پرھا	پڑھا	دلچپسی	دل چسپی	کرئے	کرے
کے	کو	بتمیزی	بد تمیزی	یوہیں	یونہیں

تجزیہ:

تحریر کی نوعیت	کل الفاظ	غلط	درست	لکھائی کی غلطیاں
تخلیقی / مضمون	۱۲۱	۱۲	۱۰۹	۱۰فی صد

عکس نمبر۵:

گھر کا کام

عنوان:۔ جذبہ حب الوطنی

سرگرمی:۔ مضمون

وطن سے محبت ایک قدرتی امر ہے۔ انسان جس ملک
میں پیدا ہوتا ہے اس سے بے تہاشا (تحاشا) لگاؤ اور محبت
کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے ملک سے
حب و الوطنی کا اظہار کرتا ہے، اور اپنے ملک
کا وفادار ہوتا ہے۔ وہ قومیں جو اپنے ملک سے
پیار کرتی ہیں وہ اپنے ملک پر کسی قسم کی آنچ
نہیں آنے دیتی۔ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں
وہاں اچھے برے کام ہوتے ہیں ضرورت اس امر کی
ہے کہ ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کا خیال رکھیں اور
اپنے پیارے وطن (پاکستان) کو خوبصورت بنائیں
یہی حب الوطنی کا تکازہ (تقاضا) ہے۔ پاکستان کی اچھی چیزوں
کو اجاگر کرنا چاہیئے اور وہاں جو برائیاں ہیں وہاں
بہتری لائی جائے۔ بد اعمالی، ناپ تول میں کمی
اور دھوکہ دہی ملک کو بے تہاشہ (تحاشہ) نقصان پہنچاتی

معلم دستخط ــــــ (43)

(۱۹)

درست	غلط	درست	غلط	درست	غلط
تقاضا	تکازہ	حب الوطنی	حب و الوطنی	بے تحاشا	بے تہاشا
				تحاشا	تہاشہ

تجزیہ:

لکھائی کی غلطیاں	درست	غلط	کل الفاظ	تحریر کی نوعیت
۳فی صد	۱۲۸	۴	۱۳۲	تخلیقی / مضمون

عکس نمبر ۶:

مضمون (سوشل میڈیا پر کھیلے جانے والے کھیل) نام - فوائد -
نقصانات - آپ کی رائے۔
آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے اور آج کل بچے سوشل میڈیا
پر بہت سی گیمز کھیلتے ہیں۔ جو ان کی صحت کے لیے اچھی
نہیں ہیں - جیسے کہ (PUBG) اور (Free Fire) اس میں انہیں لوگوں
کو مارنا ہوتا ہے اور اس میں خون بھی ہوتا ہے جو کہ
بچوں کے دیکھنے کے لیے اچھا نہیں ہے۔ اس نے ان
کی ذہن پر اچھا اصر نہیں پڑتا۔ آج کل بچے جسمانی
کھیل کی طرف بلکل توجہ نہیں دیتے۔ وہ پورا دن موبائل
میں مصروف رہتے ہیں۔ اور آج کل لوگ
سب کچھ چھوڑ کر صرف موبائل میں گیمز
کھیلتے رہتے ہیں انہیں کسی بھی کام کی فکر
نہیں ہوتی۔ جسمانی کھیل بھی ہمارے
لیے ضروری ہے جیسے ہم بلکل بھولا دیے ہیں۔
سارا دن موبائل اور لیپ ٹوپ پر بیٹھے
کی وجہ سے موٹاپا زیادہ ہوتا ہے اور
بیماریاں بھی لگتی ہیں۔ اسے کھیلنے کے کوئی
فوائد نہیں ہیں یہ بس کاموں کے لیے ہوتا

معلمہ دستخط

68

(۲۰)

غلط	درست	غلط	درست	غلط	درست
گیمز	کھیل	اصر	اثر	بلکل	بالکل
ہے	ہیں	بلکل	بالکل	بھولا	بھلا
لیپ ٹوپ	لیپ ٹاپ				

تجزیہ:

تحریر کی نوعیت	کل الفاظ	غلط	درست	لکھائی کی غلطیاں
تخلیقی / مضمون	۵۴	۷	۴۷	۱۳فی صد

عکس نمبر ۷:

عنوان :- کرکٹ کا مقابلہ

سرگرمی :- مکالمہ نگاری

ہانیہ:- السلام علیکم!

حلیمہ:- وعلیکم السلام!

ہانیہ:- آپ نے پاکستان اور انڈیا کا کرکٹ میچ دیکھا تھا؟

حلیمہ:- جی دیکھا تھا آپ کو کیا لگا پاکستان نے کیسا کھیلا؟

ہانیہ:- پاکستان نے بہت اچھا کھیلا تھا جس کی وجہ سے وہ جیت گئے۔

حلیمہ:- کس نے سب سے اچھی بیٹنگ کی تھی؟

ہانیہ:- بابر اعظم اور محمد رضوان نے سب سے اچھا کھیلا تھا۔ اور مجھے لگتا ہے سب سے اچھی باؤلنگ شاہین شاہ آفریدی اور حسن علی نے کی تھی۔

(۲۱)

غلط	درست	غلط	درست	غلط	درست
:-	:	میچ	کھیل	سوال کے آخر میں	؟
باولنگ	گیند کرائی				

تجزیہ:

تحریر کی نوعیت	کل الفاظ	غلط	درست	لکھائی کی غلطیاں
تخلیقی / مکالمہ	۶۷	۴	۶۳	۶ فی صد

عکس نمبر ۸:

عرشن کے نام تحفہ کے شکریہ کا خط لکھیں۔

امتحان،

۲۰۱۵ء

میرے پیارے ماموں جان! السلام و علیکم!

ہم سب خیریت سے ہیں اور امید کرتی ہیں کہ آپ سب بھی
خیریت سے ہوں گے۔ ہم اپ سب کو بہت یاد کرتے ہیں۔ آپ نے وعدہ کیا
تھا کہ آپ پاکستان آئیں گے پر آپ نہیں آئے۔ اب آپ نے ضرور آنا
ہے کیونکہ آپ ہمیں بہت یاد آرہے ہیں۔

ماموں میں نے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے میری دلی
خواہش پوری کر دی ہے۔ مجھے ایکس بکس بھیج کر۔ میری تمام دوستوں
کے پاس یہ تھا لیکن میرے پاس نہیں تھا۔ اب میں بہت خوش ہوں کہ
آپ نے مجھے یہ تحفہ بھیجا۔ میں روز اس کے ساتھ کھیلتی ہوں۔ مجھے بہت
اچھا لگتا ہے۔ ایک دفعہ پھر میں آپ کو اس تحفہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ہم سب کی طرف سے آپ کو اور ممانی جان کو سلام اور بچوں
کو پیار۔ اللہ حافظ

(۲۲)

غلط	درست	غلط	درست
السلام وعلیکم	السلام علیکم	اپ (۱۲ مرتبہ)	آپ

تجزیہ:

تحریر کی نوعیت	کل الفاظ	غلط املا	درست املا	لکھائی کی غلطیاں
تحریر	۵۲	۱۳	۳۹	۲۵ فی صد

عکس نمبر۹:

آج مجھے جو مضمون لکھنے کے لیے دیا گیا
ہے وہ بہت اچھا ہے۔ میں سب کچھ اپنے پیارے
دادا جان کی طرح کروں گی۔ بزرگ بہت
اچھے یا بڑے ہی ہوتے ہیں۔
اگر میں ایک دن کے لیے بزرگ بن
جاؤں تو میں بہت ہی اچھی بزرگ بنو اور
سب کے ساتھ بہت اچھا رویئہ رکتی۔ میں سب سے
بہت باتیں کرتے۔ میں سب بچوں کو اکٹھا
کرتی اور اپنے سارے اچھے تجربات باتیی۔ بچوں
سے بہت پیار محبت سے پیش آتی لڑکوں سے
ادب اور پیار سے پیش آنے کی تعلیم دتی۔
میں بچوں کو اتفاق کا درس دیتی۔ اگر
میں ایک دن کے لیے بزرگ بن جاؤں تو
میں اپنے گھر میں پیسٹ پارٹی رکھو اس میں
میں اپنے ساری بزرگ دوستوں کو بلاؤ جس
میں ہم بہت مذا کرتے جیسی طرح ہم اسکول کے
زمانے میں کرتے تھے۔ میں صبح صبح پارک میں سب

(۲۳)

غلط	درست	غلط	درست	غلط	درست
بنو	بنوں	روییہ	رویہ	رکتی	رکھتی
کرتے	کرتی	باتیی	بتاتی	دتی	دیتی
بلاؤ	بلاؤں	مذا	مزا		

تجزیہ:

تحریر کی نوعیت	کل الفاظ	غلط	درست	لکھائی کی غلطیاں
تخلیقی / مضمون	۱۳۹	۸	۱۳۱	۶ فی صد

۸۔ اردو لکھائی / تحریر میں اوسطاً'' غلطیاں:

کل طلبہ (جن کی لکھائی کا تجزیہ کیا گیا)	تحریر کیے گئے کل الفاظ	لکھائی کیے گئے درست الفاظ	لکھائی کیے گئے غلط الفاظ	لکھائی کی اوسط غلطیاں
۹	۸۴۹	۷۶۸	۸۱	۹ء۵ فی صد

درجہ بالا تحقیق میں نو طلبہ کے ''گھر کے کام'' کی کاپیوں میں تحریر شدہ الفاظ کا جائزہ لینے پر اوسطاً'' ۹ء۵ فی صد لکھائی کی غلطیوں کو پایا گیا۔

۹۔ والدین کے کوائف (جن میں دو جذبی زبان کے مسئلے کے ادراک کا جائزہ لیا گیا):

نمبر شمار	نام	حیثیت	مصروفیت / پیشہ
۱	ساجدہ	والدہ	خاتونِ خانہ
۲	ناظمہ رؤف	والدہ	استاد
۳	پیٹر جان	والد	نجی ملازم
۴	سیدہ رضوانہ	والدہ	خاتونِ خانہ
۵	اشرف جاوید	والد	کاروبار
۶	حاجی مقصود خان	والد	کاروبار
۷	کلثوم ارشاد	والدہ	خاتونِ خانہ
۸	رابعہ اسد	والدہ	خاتونِ خانہ
۹	نسیمہ بی بی	والدہ	خاتونِ خانہ

۱۰۔ پوچھے گئے سوالات اور ان کے مقاصد:

سوال نمبر	سوال	مسئول	سوال کا مقصد
۱	یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جاسکتے ہیں؟	والدین	والدین میں دو جذبی زبان کے مسئلے کی نزاکت کے ادراک کا جائزہ
۲	اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے؟	والدین	والدین کی ذاتی دل چسپی کا تجزیہ
۳	آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے؟	والدین	گھر میں اردو الفاظ کے استعمال کا تجزیہ

۱۱۔ والدین کی طرف سے دیے گئے جوابات کا تجزیہ:

سوال نمبر ا: یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگریزی الفاظ استعمال بھی ملائے جاسکتے ہیں؟

تعداد والدین	صرف اردو زبان استعمال کی جائے	اردو اور انگریزی دونوں زبانیں استعمال کی جائیں
۹	۰	۹
	صفر فی صد	۱۰۰ فی صد

سوال نمبر ۲: اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے؟

تعداد والدین	اردو پر دسترس ضروری ہے	اردو پر دسترس ضروری نہیں
۹	۷	۲
	۷۸ فی صد	۲۲ فی صد

سوال نمبر ۳: آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے؟

تعداد والدین	اردو الفاظ سکھائے ہیں	اردو الفاظ نہیں سکھائے
۹	۳	۶
	۳۳ فی صد	۶۷ فی صد

۱۲۔ اساتذہ کے کوائف:

نمبر شمار	نام	حیثیت	درجہ	اسکول
۱	شاکرہ ندیم	استاد	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۲	فوزیہ احمد	استاد	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۳	شازیہ نسیم	استاد	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد
۴	صباحت فاطمہ	استاد	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
۵	ماہ نور	استاد	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی
۶	شہر بانو	استاد	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی

۷	منیب شہزاد	استاد	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی
۸	راحلہ ممتاز	استاد	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی
۹	انعم شہزادی	استاد	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی

۱۳۔ پوچھے گئے سوالات اور ان کے مقاصد:

سوال نمبر	سوال	مسئول	سوال کا مقصد
۱	کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟	استاد	تخلیقی صلاحیت، رٹا لگا کر لکھنے کا جائزہ
۲	کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے	استاد	طلبہ کی اردو سمجھنے کی ذہنی استعداد کا جائزہ
۳	بحثیت اردو استاد یہ بتایئے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبہ شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟	استاد	طلبہ کی اردو مضمون میں دل چسپی کا جائزہ

۱۴۔ اساتذہ کی طرف سے دیے گئے جوابات کا جائزہ:

سوال نمبر ا: کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

تعداد اساتذہ	تحریری مواد دینا پڑتا ہے	بچے خود سے لکھ سکتے ہیں
۹	۹	۰
	۱۰۰ فی صد	صفر فی صد

سوال نمبر ۲: کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے ؟

تعداد اساتذہ	اردو پڑھاتے ہوئے انگریزی الفاظ استعمال کرنا پڑتے ہیں	پڑھاتے ہوئے انگریزی الفاظ کی ضرورت نہیں پڑتی
۹	۸	۱
	۸۹ فی صد	۱۱ فی صد

سوال نمبر ۳: بحثیت اردو استاد یہ بتایئے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبہ شوق سے پڑھنا چاہیں گے ؟

تعداد اساتذہ	بطور اختیاری مضمون بھی اردو پڑھا جائے گا	بطور اختیاری مضمون اردو نہیں پڑھا جائے گا
۹	۵	۴
	۵۵ فی صد	۴۵ فی صد

حوالہ جات

۱۔رشید حسن خان، انشا اور تلفظ، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۲۱

۲۔احمد ندیم قاسمی، انگریزی میں تعلیم، (مضمون) مطبوعہ: روزنامہ جنگ (میگزین)، راولپنڈی، ۹ ستمبر ۲۰۱۸ء، ص ۲۶

۳۔سید احمد، دہلوی، (مرتبہ) فرہنگِ آصفیہ، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۵۱

۴۔محی الدین قادری، ڈاکٹر سید، اردو کے اسلیبِ بیاں، احمدیہ پریس، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۲ء، ص ۱۵۷

۵۔خلیل صدیقی، زبان کیا ہے؟، عاکف بکڈپو، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۳۵

۶۔نجیبہ فاطمہ (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۷۔زینب عباسی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے

۸۔ملائکہ شہزادی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۹۔محمد علی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۰۔احمد اعزاز (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۱۔ارسلان احمد (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۲۔احمد (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۱۳۔نورالعین (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۱۴۔ صابر علی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۱۵۔ مریم ریاض (املا) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۶۔ فاطمہ نعیم (املا) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۷۔ مناہل اکبر (املا) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۸۔ محمد رضا (املا) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۹۔ ایمن خان (املا) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

دن

۲۰۔ علشبا جاوید (املا) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۲۱۔ ظفر اقبال (املا) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۲۲۔ عاطف منیر (املا) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۲۳۔ محمودہ شاہد (املا) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

باب پنجم:

مجموعی جائزہ، نتائج وسفارشات

ا: مجموعی جائزہ

نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ ہو چکا، اثرات باقی ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکہ نے سیاسی، عسکری اور سفارتی شکل میں نو آبادیات کا ایک نیا چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ 'واحد عالمی طاقت' کے طور پر تیسری دنیا کے ممالک کی نظاموں میں مداخلت کرتا ہے اور ان کی حکومتی پالیسوں کو کمزور کر کے، ان کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ پاکستان بھی اسی کی ایک مثال ہے۔ بظاہر آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی ثقافتی آزادی حاصل نہیں ہے۔ آج بھی یورپی طرزِ زندگی خوراک، لباس، نظریات اور زبان وغیرہ کی قبولیت باعثِ فخر ہے۔ حکمران، مقامی نمائندہ نہیں بلکہ استعماری غلام ہیں۔ پاکستانی قوم کا اپنا تشخص اور کلچر آہستہ آہستہ اختتام کی طرف گامزن ہے۔ پاکستانی نظامِ تعلیم اور زبان کی بدلتی ہوئی صورتحال اس کی واضح مثالیں ہیں۔ دورِ حاضر کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے، نو آبادیات کے لگائے ہوئے زخموں کا مداوا کرنا ہے۔ نو آبادیات اور مابعد نو آبادیات کو سمجھنا ہی اپنی تاریخ، ثقافت اور زبان کو سمجھنا ہے۔ اس لیے کہ یورپ انسانی سوچ کی تعمیر، ترقی اور نشوونما کے وسائل پر اپنا قبضہ سمجھتا ہے۔ استعمار زدہ ملکوں میں علمی، ادبی اور سائنسی اجارہ داری اپنا حق سمجھتا ہے۔ استعمار زدہ اقوام کے افراد فلسفہ، سائنس، ادب اور معاشیات کے میدانوں میں تخلیقات کی بجائے تقلید کے قائل ہو کت جدید تحقیق سے بے زار ہیں۔ علمی بے چارگی، نفسیاتی کمزوری اور ثقافتی ضعف طبیعتوں کا حصہ بن چکا ہے۔ یورپی مرکزیت کا یہ نظام پاکستانی کی جدید نسل کو علمی اور ثقافتی طور پر بانجھ کر رہا ہے۔ استعمار کار صرف سیاسی طاقت اور غلبے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بل کہ ثقافتی اطاعت کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ اسی لیے مابعد نو آبادیات ثقافتی مطالعی کی ہی ایک قسم ہے۔

دو جذبیت ایک ایسا رجحان ہے کہ جس میں استعمار زدہ پر مسلط کی جانے والی شناخت اور اس کے اپنے تشخص کے درمیان گریز کا رویہ پیدا کیا جاتا ہے۔ استعمار کار کے تشخص کی کشش اور ذاتی شناخت سے تنفر کے باہم جذبات جنم لیتے ہیں۔ اسی کے نتیجے میں استعمار زدہ اپنی زبان، کلچر، مذہب اور تاریخ کے معاملے میں دو جذبیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ دو جذبی رجحان کی اس نفسیاتی حالت میں یورپی مقام کے اعلیٰ ہونے کا احساس استعمار زدہ کے شعور میں منتقل کیا جاتا ہے۔ شعور کی اس تبدیلی میں انگریزی زبان کی مدد لی جاتی ہے۔ انگریزی زبان سیکھنے کے شوق میں یورپی ادب کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ انگریز کی اس تقلید میں نہ پاکستانی نسل نو نہ مکمل انگریز بن سکی ہے نہ پاکستانی ثقافت سے اپنا رشتہ مستحکم ترین رہا ہے۔ دوغلا پن شخصیت کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ نوجوان رنگ و نسل کے لحاظ سے پاکستانی مگر ذہن و فکر کے اعتبار سے یورپی معلوم ہوتے ہیں اور اس پیروی کو باعثِ صد افتخار بھی سمجھتے ہیں۔ ہماری اپنی مخصوص ثقافت کی بجائے انگریزی ثقافت کے حامی اور مبلغ ہیں۔ دراصل یہ ثقافتی شناخت کا عدمِ تعین ہے اور اس کے پیش کار یورپی طاقت کے آلہ کار ہیں۔

انگریزی زبان سیکھنے اور اس کے الفاظ کو شاملِ گفتگو کرنے کا شائق افراد کا کہنا ہے کہ انگریزی عالمی زبان کا درجہ رکھتی ہے اس لیے اس پر دسترس ہونا ضروری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان کے طور پر انگریزی کو سیکھنا چاہیے۔ مگر یہاں ایک لطیف سا فرق سمجھنا ضروری ہے کہ اردو کے علاوہ ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کا سیکھنا ایک خصوصیت ہے۔ دوسری زبان سیکھنے سے اس زبان کے علوم اور ثقافت کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ پاکستانی تعلیمی اداروں میں انگریزی کو بطور مضمون شامل کرنے کا بھی یہی مقصد ہے، کہ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان بھی سکھائی جائے۔ مگر ہمارے ہاں توازن بگڑ چکا ہے۔ بول چال میں، تحریر میں، پیش کش میں اور میڈیا میں انگریزی زبان، اردو زبان پر حاوی ہے۔ انگریزی کو دوسری زبان نہیں بلکہ پہلی زبان کا درجہ دے کر سیکھا جاتا ہے۔ بچے کی لسانی آموزش کے ابتدائی برسوں میں جس زبان کو زیادہ شد و مد سے سکھایا جاتا ہے، اسی زبان کے الفاظ اس کے ذہن میں زیادہ جگہ پاتے ہیں۔ طلبہ کو اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان سکھائی جائے اور علاحدہ علاحدہ استعمال بھی سکھایا جائے تو دو زبانوں کا سیکھنا ہو جاتا ہے۔ مگر صرف انگریزی ہی

کے الفاظ استعمال میں لائے جائیں جن کا اردو ترجمہ معلوم نہ ہو تو اردو انشا پردازی میں بھی طالب علم انگریزی الفاظ ہی لکھتا ہے۔

دوجذبیت کی حامل زبان کے معاملے کی نزاکت کو اردو تدریس سے وابستہ افراد کے لیے سمجھنا زیادہ ضروری ہے۔اردو ہماری قومی زبان ہے جس کے معیار پر کسی صورت سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا۔ بطور زبان اردو پڑھانے کے لیے کچھ خاص مہارتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔زبان کے استاد کا اپنا تلفظ درست ہو،الفاظ کی بناوٹ میں مہارت ہو، تاکہ املا سکھائی جاسکے۔معانی و مفاہیم سے آگاہی ہو تاکہ طلبہ کو تشریحات سمجھائی جاسکیں۔دل چسپ تدریس کا تجربہ رکھتا ہو تاکہ مضمون میں لگاؤ پیدا کیا جاسکے۔اردو پڑھانے والے استاد کی ظاہری شخصیت بھی قابلِ دید ہو تاکہ بچوں میں فرمانبرداری پیدا ہو سکے۔اردو جذبات و احساسات کے بیان کی زبان ہے۔ادب زندگی کی سائنس ہے چناں چہ اس کے پیش کار ظاہری و باطنی کشش کے حامل ہونے چاہییں۔

دوہری ثقافتی شخصیت جو اپنی ثقافت سے بیزار اور اپنی زبان (اردو) سے متنفر یا بے بہرہ ہو، اردو ادب کے میدان میں تخلیق کار نہیں بن سکتی۔اردو انشا پردازی کا آغاز ابتدائی جماعت سے ہی ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے اسکولوں میں اور گھروں میں بچے کو بول چال سکھانے میں انگریزی کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔روز مرہ کی گفتگو میں والدین کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ انگریزی میں بات کی جائے۔ایسے تعلیمی اداروں کا انتخاب کیا جاتا ہے جہاں اردو زبان کی بجائے انگریزی میں بات چیت کی جائے۔الفاظ کی ایک معنوی صورت ہوتی ہے۔ذہن میں موجود لفظ، ایک پوری تاریخ رکھتا ہے۔ایک بچہ اپنی عمر کے ابتدائی ایام میں زبان کے واسطے سے اپنی روایات، ثقافت اور تاریخ سے متعارف ہو رہا ہوتا ہے۔ایسے میں اگر بچے کے ذہن میں صرف انگریزی کا لفظ ہو اور اس کا اردو موجود نہ ہو تو اردو انشا پردازی میں اظہارِ خیال کے وقت مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔اردو مضمون لکھتے ہوئے ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ اردو الفاظ ہی استعمال کیے جائیں۔ مگر اردو الفاظ کی قلت کی وجہ سے طالب علم انشا پردازی میں عدم دل چسپی کا مظاہرہ کرتا ہے۔بار بار غلطیاں کرتا ہے۔اردو لفظ کے ذہن نشین نہ ہونے کی وجہ سے کافی دیر سوچنا پڑتا ہے، پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی۔ایسی صورتحال میں

زبان سے نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔بچے میں زبان کے حوالے سے پیدا ہونے والی یہ کیفیت مستقبل میں اردو تخلیق کاری کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔

ب:نتائج

اس تحقیق کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں۔

۱۔مابعد نو آبادیات کا پاکستانی سماج پر گہرا اثر برقرار ہے۔پاکستانی سماج میں زبان کو اپنی بقا کے لیے ایک مسلسل تگ و دو کی ضرورت ہے۔ پاکستانی افراد اپنی ہی زبان سے گریزاں ہیں۔انگریزی بول چال کو اشرافیہ کی زبان سمجھ کر اردو زبان سے نفرت آمیز سلوک نسلِ نو میں واضح دیکھا جاسکتا ہے۔ بنیادی وجہ غلامانہ سوچ ہے جس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔اردو صرف شعر وادب کی زبان ہی نہیں،علوم وفنون کے حوالے سے بھی اردو کے کردار کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔وحدت اور یک جہتی کے فروغ میں اردو زبان کے کردار کو نظر انداز کرتے ہوئے پاکستان کے نوجوانوں میں اردو زبان سیکھنے کا ذوق و شوق ناپید ہو رہا ہے۔

۲۔اس مقالے میں پیش کی گئی تحقیق کے مطابق میٹرک سطح کے بچوں کی اردو املا میں تقریباً" دس فیصد تک غلطیاں پائی گئی ہیں۔ ان کی وجوہات میں لفظ کی پہچان،بناوٹ اور مشق کی کمی ہے۔زبان کی زندگی تقریر اور تحریر کے ذریعے سے ہی قائم رہتی ہے۔ کسی بھی زبان کی تخلیقات ہی اس کی ادبی تاریخ مرتب کرتی ہے ۔تحریر کیا جانے ہر لفظ ایک مکمل حوالہ ہوتا ہے املا کی مسلسل غلطیوں سے بچوں کے اندر اردو زبان سے بے زاری جنم لیتی ہے نتیجتاً اردو کی ادبی اور تخلیقی صلاحیتوں کا فقدان اور اردو زبان کی اعلیٰ تعلیم کی طرف رجحان نظر نہیں آرہا ہے جو کہ زبان کی تنزلی کا استعارہ ہے۔

۳۔دورانِ تحقیق بچوں کی اردو بول چال پر توجہ کرنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اردو بولتے ہوئے آدھے الفاظ انگریزی کے استعمال کیے جاتے ہیں۔بچوں کے منہ سے انگریزی الفاظ کا ادا ہونا بغیر ارادے کے محسوس ہوتا ہے۔ لامحالہ اس کی وجہ گھروں اور تعلیمی اداروں میں روزمرہ گفتگو میں انگریزی الفاظ کا کثیر استعمال ہے۔والدین جان بوجھ کر خود بھی انگریزی الفاظ میں مخاطب کرتے ہیں اور تعلیمی ادارے کے انتخاب میں

بھی ایسے سکول کو پسند کرتے ہیں جہاں انگریزی بول چال معمول ہو۔ شاملِ تحقیق سوالنامے میں جب والدین سے پوچھا گیا کہ ' یہ بتایئے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک ہی زبان استعمال کرنی چاہیے یا اردو کے ساتھ انگریزی الفاظ بھی ملائے جا سکتے ہیں ' تو سب کا جواب ' ہاں ' میں تھا۔ تکلم کی ایسی صورتحال میں طلبہ اردو انشا میں بھی انگریزی الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔

۴۔ اردو املا اور انشا پردازی کی صلاحیت کے تجزیے میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ دورانِ تعلیم طلبہ کو اردو نصاب پر مشتمل کتابیں اور تحریری مواد (گائیڈ بکس اور نوٹس) مہیا کیے جاتے ہیں۔ طلبہ لکھے ہوئے مواد کو رٹا لگا کر کسی حد تک لکھ سکتے ہیں، اگرچہ اس میں بھی املا کی غلطیاں موجود رہتی ہیں، لیکن خود سے لکھنے کی صلاحیت یعنی اردو انشا میں مکمل اردو الفاظ کے استعمال میں مہارت سے محروم ہیں۔

۵۔ اردو الفاظ کی تفہیم کے معاملے میں آج کے طلبہ اس قدر کمزور ہیں کہ اساتذہ کو اردو نظم و نثر کی تشریح کے لیے بھی دورانِ گفتگو انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے ورنہ بچہ اردو لفظ کے معانی کو کماحقہ سمجھنے سے قاصر ہے۔

۶۔ دورِ حاضر میں نسلِ نو کے کان میں پڑنے والی آوازوں میں سب سے طاقت ور سوشل میڈیا کی آواز ہے۔ زبان کے معاملے میں موٹیویشنل سپیکرز کی گفتگو، ڈرامے، وی لاگز، پوسٹس، لائیو کلپس، نیوز، چینلز اور پیغامات وغیرہ کے وسیلے سے سنائی دینے والی اردو زبان میں انگریزی الفاظ کی بھرمار کان پڑتی ہے۔ آج کل بچوں کا سکرین ٹائم کم از کم تین سے چار گھنٹے روزانہ ہے۔ دو جذبیت کی حامل زبان کو گھر، سکول، والدین اور ارد گرد کے ماحول سے مسلسل سننے کے بعد خالص اردو تحریر و تقریر کا مظاہرہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ اس مقالے میں پیش کی گئی تحقیق کے مطابق اٹھارہ فیصد طلبہ اردو انشا پردازی میں انگریزی الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ دو جذبیت کی حامل زبان سے اردو تخلیقات ناممکن ہیں۔ پاکستانی اردو بول چال میں انگریزی کے الفاظ کا استعمال معمول بن چکا ہے۔ گفتگو میں انگریزی الفاظ کی مدد سے مافی الضمیر بیان کیا جاتا ہے۔ بچے اس میں

سہولت سمجھتے ہیں اور عادی ہو چکے ہیں۔ چناں چہ اردو انشاپردازی کرتے ہوئے ذہن میں پائے جانے والے انگریزی الفاظ، جن کو ابتدائی کلاسز سے ہی بچہ اسکول اور گھر میں کثرت سے سنتا آیا ہوتا ہے اردو میں بھی لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

۸۔اردو بول چال میں دخیل انگریزی زبان کے کچھ الفاظ تو اردو زبان کا مستقل حصہ بن چکے ہیں جن میں:

پیپرز	رش	سلیبس	ڈراپ
نوٹ بکس	پیس	آملیٹ	الارم
بائیک	مووی	موبائل	ہاف فرائی
کمرشل مارکیٹ	فرائیڈ رائس	وغیرہ وغیرہ	

اس کے علاوہ ایسے الفاظ جن کا اردو ترجمہ آسان ہے مگر کثرت استعمال کی وجہ سے انگریزی میں ہی مستعمل ان میں سے معروف الفاظ درج کیے جاتے ہیں:

اردو لفظ	مستعمل انگریزی لفظ	اردو لفظ	مستعمل انگریزی لفظ
جماعت	کلاس	ہم جماعت	کلاس فیلوز
استاد	سر	اساتذہ	ٹیچر
تفریح	آؤٹنگ	سردیوں کی چھٹیاں	ونٹر ویکیشنز
گھر کا کام	ہوم ورک	گرمیوں کی چھٹیاں	سمر ویکیشنز
دفتر	آفس	امتحان	ایگزامز
بستہ	بیگ	اسلامیات	اسلامک سٹڈیز
معاشرتی علوم	پاک سٹڈیز	جذبات	فیلنگ
محبت	لو	پسند	لائیک
درد	پین	دل چسپی	انٹرسٹ
وردی	یونیفارم	مدد	ہیلپ

کتابیں	بکس	اتارا	ڈراپ
ہجوم	رش	دیر	لیٹ
اچھاہو گیا	fit ہو گیا	ورزش	ایکسر سائز
تازہ دم	فریش	خریداری	شاپنگ

علی ہذاالقیاساس طرح کے ہزاروں الفاظ اتنے پختہ ہو چکے ہیں کہ ان کا اردو لفظ ذہن کے کسی گوشے میں موجود ہی نہیں۔زبان کی اس دو جذبی کیفیت کو سمجھناضروری ہے جب پاکستانی معاشرہ آنے والی نسلوں کو ایسی مخلوط زبان کی تربیت دے گا تو اردو ناول، افسانی، شاعری، بول چال اور شائستہ تحریر ممکن نہیں رہے سکے گی۔

ج۔سفارشات

۱۔"نسلِ نو میں دو جذبی زبان کے استعمال اور اردو پر اثرات" کے عنوان پر مقالہ لکھنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

۲۔پاکستان میں مابعد نو آبادیات کے زبان پر اثرات کے حوالے سے مقالہ لکھوانے کی ضرورت ہے۔

۳۔انشاپردازی میں اردو اور انگریزی زبان کے کردار کا تقابلی مطالعہ کروایا جانا چاہیے۔

۴۔اردو زبان کی حفاظت کے ذمہ دار اور تعلیمی ادارے سوشل میڈیا کی مدد سے اس مسئلے کی عمومی آگاہی کے لیے مہم شروع کی جانی چاہیے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ

۱۔ احمد اعزاز (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۲۔ احمد (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۳۔ ارسلان احمد (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۴۔ اشرف جاوید (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، راولپنڈی، ۱۶ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۵۔ انعم شہزادی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۶۔ ایمن خان (املا) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۷۔ پیٹر جان (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، راولپنڈی، ۱۱ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۹۔ رابعہ اسد فروعی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، راولپنڈی، ۲۷ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۹ بجے دن

۱۰۔ راحلہ ممتاز (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۱۱۔ زینب عباسی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۲۔ ساجدہ (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، راولپنڈی، ۱۱ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۱۳۔ سیدہ رضوانہ (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، راولپنڈی، ۱۶ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۱۴۔ شاکرہ ندیم (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۱۵۔شازیہ نسیم(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز،اسلام آباد،۹مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۱۶۔شہر بانو(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم،راولپنڈی،۱۲مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۱۷۔صباحت فاطمہ(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم،راولپنڈی،۱۲مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۱۸۔صابر علی(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،الائیڈ سکول،راولپنڈی،۲۳مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۱بجے دن

۱۹۔ظفر اقبال(املا)از وسیم انور ممتاز،الائیڈ سکول،راولپنڈی،۲۳مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۱بجے دن

۲۰۔عاطف منیر(املا)از وسیم انور ممتاز،الائیڈ سکول،راولپنڈی،۲۳مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۱بجے دن

۲۱۔علشبا جاوید(املا)از وسیم انور ممتاز،ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم،راولپنڈی،۱۲مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۲۲۔فاطمہ نعیم(املا)از وسیم انور ممتاز،اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز،اسلام آباد،۹مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۲۳۔فوزیہ احمد(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز،اسلام آباد،۹مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۲۴۔کلثوم ارشاد(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،راولپنڈی،۲۷مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۹بجے دن

۲۵۔ماہ نور(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم،راولپنڈی،۱۲مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۲۶۔محمودہ شاہد(املا)از وسیم انور ممتاز،الائیڈ سکول،راولپنڈی،۲۳مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۱بجے دن

۲۷۔مریم ریاض(املا)از وسیم انور ممتاز،اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز،اسلام آباد،۹مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۰بجے دن

۲۸۔منیب شہزاد(سوالنامہ)از وسیم انور ممتاز،الائیڈ سکول،راولپنڈی،۲۳مئی ۲۰۲۲ء،بوقت ۱۱بجے دن

۲۹۔ محمد علی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجو کیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۳۰۔ محمد رضا (املا) از وسیم انور ممتاز، ڈیفنس ایجو کیشن سسٹم، راولپنڈی، ۱۲ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۳۱۔ ملائکہ شہزادی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۳۲۔ مناہل اکبر (املا) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۳۳۔ ناظمہ رؤف کاظمی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، راولپنڈی، ۱۱ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۳۴۔ ناصر عباس نیئر، مابعد نوآبادیات اردو کے تناظر میں، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء

۳۵۔ نجیبہ فاطمہ (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد، ۹ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۰ بجے دن

۳۶۔ نسیمہ بی بی (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، راولپنڈی، ۲۷ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۹ بجے دن

۳۷۔ نور العین (سوالنامہ) از وسیم انور ممتاز، الائیڈ سکول، راولپنڈی، ۲۳ مئی ۲۰۲۲ء، بوقت ۱۱ بجے دن

ثانوی مآخذ

۱۔ جمیل جالبی، پاکستانی کلچر، مشتاق بک ڈپو، کراچی، ۱۹۶۴ء

۲۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

۳۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، عاکف بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۴ء

۴۔ سید احمد، صاحب، دہلوی، علم اللسان، محبوب المطابع، دہلی، ۱۸۹۵ء

۵۔ سید امیر حسن، مولوی، اردو انشا پردازی، نول کشور بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۵۶ء

۶۔طارق رحمان،ڈاکٹر،لسانیات ایک تعارف،مترجمہ اصغر بشیر، سٹی بک پوائنٹ، کراچی،۲۰۱۷ء

۷۔عابد حسین،ڈاکٹر، قومی تہذیب کا مسئلہ، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ،۱۹۵۵ء

۸۔عبدالحق، مولوی، آسان اردو، مشمولہ نقش، کراچی،۱۹۶۱ء

۹۔عبدالسلام خورشید،ڈاکٹر، پاکستانی ثقافت،(مضمون) مشمولہ، پاکستانی ثقافت، مرتبہ ڈاکٹر رشید امجد، اکادمی ادبیات، اسلام آباد،۱۹۹۹ء

۱۰۔ علی رفاد، فتیحی، لفظ سازی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دھلی،۲۰۱۳ء

۱۱۔ فرمان فتح پوری،ڈاکٹر، زبان اور اردو زبان، قمر کتاب گھر، کراچی،۱۹۸۰ء

۱۲۔ محمد اشرف کمال،ڈاکٹر، لسانیات اور زبان کی تشکیل، مثال پبلشرز، فیصل آباد

۱۳۔ ناصر عباس نیئر،ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، پنجاب یونیورسٹی، لاہور،۲۰۰۸ء

English Books

Studies Reader, 1. Bill Ashcroft, Griffith, Tiffin, (Editors), The Post Colonial London, Routledge, 1995

2. Daniel Butt, Colonialism and Post colonialism, Hugh Lafollette, (ed), The International Encyclopedia of Ethics, Wiley Blackwell, 2013

مضمون

۱۔ محمد کامران،ڈاکٹر، پاکستان میں اردو کا نفاذ۔ اہم حقائق، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اخبار

۱۔احمد ندیم قاسمی،انگریزی میں تعلیم،(مضمون)مطبوعہ:روزنامہ جنگ(میگزین)،راولپنڈی،۹ ستمبر ۲۰۱۸ء

اردو لغات

۱۔جامع اردو انسائیکلوپیڈیا، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی،۲۰۰۳ء

۲۔سید احمد، دہلوی،(مرتبہ)فرہنگِ آصفیہ،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۶ء

ویب سائٹ

https://ur.wikipedia.org/wiki/شخصیت

ضمیمہ جات

سوالنامے برائے طلبہ

سوالنامہ برائے طلبہ

اسکول	درجہ	نام
اسلام ماڈل اسکول فور گرلز، اسلام آباد	نہم	نجیبہ فاطمہ

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

جی جی بلکل، اردو زبان سننے میں دل چسپ لگتی ہے کیونکہ اردو ہماری قومی زبان ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

نہیں فوراً سمجھ نہیں آتے تھوڑا غور وفکر کرنا پڑتا ہے

سوال نمبر ۳: آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

میں کل 6 بجے اٹھی تھی۔ پہلے باتھ میں برش کیا، منہ دھویا۔ پھر نماز پڑھ کے ڈریس پہنی۔ تیار ہوئی۔ بیگ اٹھایا اور وین پر سکول آگئی۔ یونیفارم تھوڑا گندا تھا اس لیے mam نے آتے ہی Punishment دے دی اور تھوڑی دیر کھڑا رکھا۔ پھر کلاس میں آگئی۔ پڑھتے رہے۔ چھٹی ہوئی پر وین والے انکل لیٹ ہوگئے۔ گھر جاتے جاتے 3 بج گئے۔

سوالنامہ برائے طلبہ

اسکول	درجہ	نام
اسلام آباد ماڈل سکول فور گرلز اسلام آباد	ہشتم	زینب عباسی

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ استاد پر ہے کہ اگر وہ کلاس اپنے روز کے طریقے سے سمجھائے تو سننے میں دلچسپی ہوتی ہے۔ اگر کلاس ہی نہیں ہوئی تو سمجھنا مشکل ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

جی ہاں، فوراً سمجھ آجاتے ہیں۔

سوال نمبر ۳: آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

میری ماما teacher ہیں اس لیے ہم جلدی اٹھ جاتے ہیں۔ میں ماما کے ساتھ کچن میں help کرتی ہوں۔ کل ناشتے میں بریڈ اور آملیٹ کا ناشتہ کیا پھر یونیفارم پہنا۔ بیگ میں books دیکھیں اور ماما نے مجھے ڈراپ کیا۔ رش کی وجہ سے لیٹ ہوگئی۔

سوالنامہ برائے طلبہ

اسکول	درجہ	نام
اسلام آباد ماڈل سکول فور گرلز اسلام آباد	نہم	صدف گلشن زادی

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

اگر استاد اچھا ہو دلچسپ پڑھانے والا ہو تو انسان بور نہیں ہوتا اگر استاد دیر سے آئے اور سمجھائے نہیں تو انسان بور ہو جاتا ہے ۔

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

نہیں فوراً سمجھ آتے۔

سوال نمبر ۳ : آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

میں کل لیٹ اٹھی تھی کیونکہ بابا کے موبائل کا الارم نہیں ہوا تھا۔ مجھے جلدی جلدی ناشتہ کرنا پڑا ۔ ماما نے بھائی کو اٹھایا کر مجھے ڈراپ کرنے آئے مگر اس کا ٹیسٹ تھا۔ پھر بابا کے ساتھ ہی Bike پر سکول آئی۔ وہ مجھے چھوڑ کر آفس چلے گئے۔

سوالنامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	اسکول
محمد علی	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم راولپنڈی

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

جی ہاں! دل چسپ ہوتی ہے

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

کبھی آجاتے ہیں کبھی نہیں

سوال نمبر ۳ : آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

میں کل اپنی وین پر سکول آیا۔ سکول کے بعد میں گھر چلا گیا۔ پھر سو گیا۔ 5 بجے اٹھ کر ہوم ورک کیا۔ بیگ بند کر کے بھائی کی شاپ پر چلا گیا۔ ہماری موبائل اسیسریز کی ہول sale شاپ ہے۔ شام 8 بجے واپس آیا۔ کھانا کھایا۔ تھوڑی سی movi دیکھی اور سو گیا

سوالنامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	اسکول
احمد اعزاز	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

دل چسپ ہوتی ہے

سوال نمبر ۲: کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

جی ہاں

سوال نمبر ۳: آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

کل صبح لیٹ ہو گیا تھا۔ سکول آنے کا دل نہیں تھا۔ پھر بھی اٹھ کے پراٹھے اور ہاف fry کا ناشتہ کیا۔ سکول میں Test تھا۔ Fit ہو گیا۔ سکول سے چھٹی کے بعد گھر آ کر سو گیا۔ شام کو جم جانا ہوتا ہے۔ ایکسرسائز کر کے آیا، فریش ہوا۔

سوالنامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	اسکول
ارسلان احمد	نہم	ڈلقیس ایجوکیشن سسٹم۔ راولپنڈی

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

اردو زبان میں لیکچر کی گفتگو دل چسپ ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آ جاتے ہیں؟

نہیں۔

سوال نمبر ۳ : آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

میں کل ابو جی کے ساتھ سکول آیا تھا۔ ہم Second hand چیزوں کا کام کرتے ہیں۔ کباڑ کا۔ واپسی میں لوکل پے جاتا ہوں۔ کل ہمارے انکل کی منگنی کا فنکشن تھا۔ اس لیے پہلے شاپنگ کے لیے کمرشل جانا تھا۔ وہاں چلا گیا۔ اپنے لیے پینٹ خریدی۔ انکل کے لیے گفٹ بھی لیا۔

سوالنامہ برائے طلبہ

اسکول	درجہ	نام
الائیڈ سکول راولپنڈی	نہم	احمد

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

تھوڑی بہت۔ اردو مشکل سبجیکٹ ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

نہیں

سوال نمبر ۳: آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

کل کا دن اچھا گزرا۔ سکول میں monthly assesment تھی۔ جو کہ
بالکل اچھی نہیں ہوئی۔ میم ناراض ہوگئی موڈ آف کر لیا۔
میں نے Sorry کی بھی بولا۔ پھر سکول میں brake time میں
لنچ کیا۔ کل چھٹی کے بعد کافی لیٹ ہوگیا۔ انکل لیٹ ہوگئے۔
گھر جا کر یونیفارم اتارا۔ کھانا کھایا اور سو گیا۔ پھر
ہوم ورک کیا۔

سوالنامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	اسکول
نورالعین	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی

سوال نمبر ۱: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

ہماری میم اچھی ہیں۔ مگر مشکل پڑھاتی ہیں

سوال نمبر ۲: کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

نہیں، الفاظ مشکل ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ۳: آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

کل میں پورے ٹائم پر سکول آئی۔ ہمارے Pt سر
بہت خوش ہوئے۔ پھر ہماری میتھ والی میم
کی کلاس سٹارٹ ہو گئی۔ گھر سے میں لنچ لے کر آئی ہوں۔
ہم ساری friends شیئر کر کے لنچ کرتی ہیں۔ میں friedrice
لائی تھی۔ سکول سے چھٹی کے بعد میں گھر چلی گئی۔
یونیفارم اور shoes تبدیل کیا۔

سوالنامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	اسکول
صابر علی	نہم	الاحمد اسکول، راولپنڈی۔

سوال نمبر ا: کلاس میں اردو استاد کی گفتگو، سننے میں دل چسپ ہوتی ہے یا طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

کبھی اچھی لگتی ہے کبھی سمجھ نہیں آتی۔

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو کی کتاب میں لکھے ہوئے اسباق اور اشعار کے الفاظ فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں؟

نہیں۔

سوال نمبر ۳ : آپ کے پاس دو منٹ ہیں، اپنے گزرے ہوئے کل کے بارے میں لکھیں کہ آپ نے صبح سے شام تک کون کون سے کام کیے؟

میرا کل کا دن اچھا تھا کیونکہ میرے بابا UK سے آئے ہوئے
ہیں۔ ان کا وہاں اپنا بزنس ہے۔ کل شام ہم ڈنر کے لیے
اسلام آباد گئے تھے۔ بابا کی برتھ ڈے تھی۔ ہم بہت خوش
تھے۔ ہم نے بابا کو wish کیا اور گفٹ بھی دیے۔
بابا کا موڈ کافی اچھا تھا۔ ہم نے کھانا کھایا اور
بابا نے ہمیں شاپنگ بھی کروائی۔

املا کے نمونہ جات:

سوال نامہ برائے طلبہ

سکول	درجہ	نام
اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد	نہم	مریم ریاض

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

دیکھ کر پریشان ہو گیا، کیونکہ اگر درخت نہیں تھے تو اُس
کا کاروبار کیسے ہو گا؟ اُسی دن اُس کے ابو بہت بیمار
ہو گئے۔ اُن کے بیمار ہونے کے کچھ دن بعد وہ بے ہوش
ہو گئے اور اُن کو ہسپتال جانا پڑا۔ ڈاکٹرز نے کہا کہ
اُن کے lungs بہت خراب ہیں، اور اُن کو oxygen چاہیے۔
لیکن اب مسلاں یہ تھا کہ سارے درخت تو کٹ گئے تھے،
تو oxygen بہت کم تھی۔ اسی وجہ سے گاؤں کے کافی
لوگوں کی تبیعت بہت خراب ہو گئی۔ اُس آدمی کو
اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اُس نے بہت سارے درخت
لگائے۔ ہمیں یہ سبق ملا کہ ہمیں درخت نہیں کاٹنے چاہییں۔

سوال نامہ برائے طلبہ

سکول	درجہ	نام
اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد	نہم	منال اکبر

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

سوال نامہ برائے طلبہ

سکول	درجہ	نام
ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی	نہم	محمد رضا
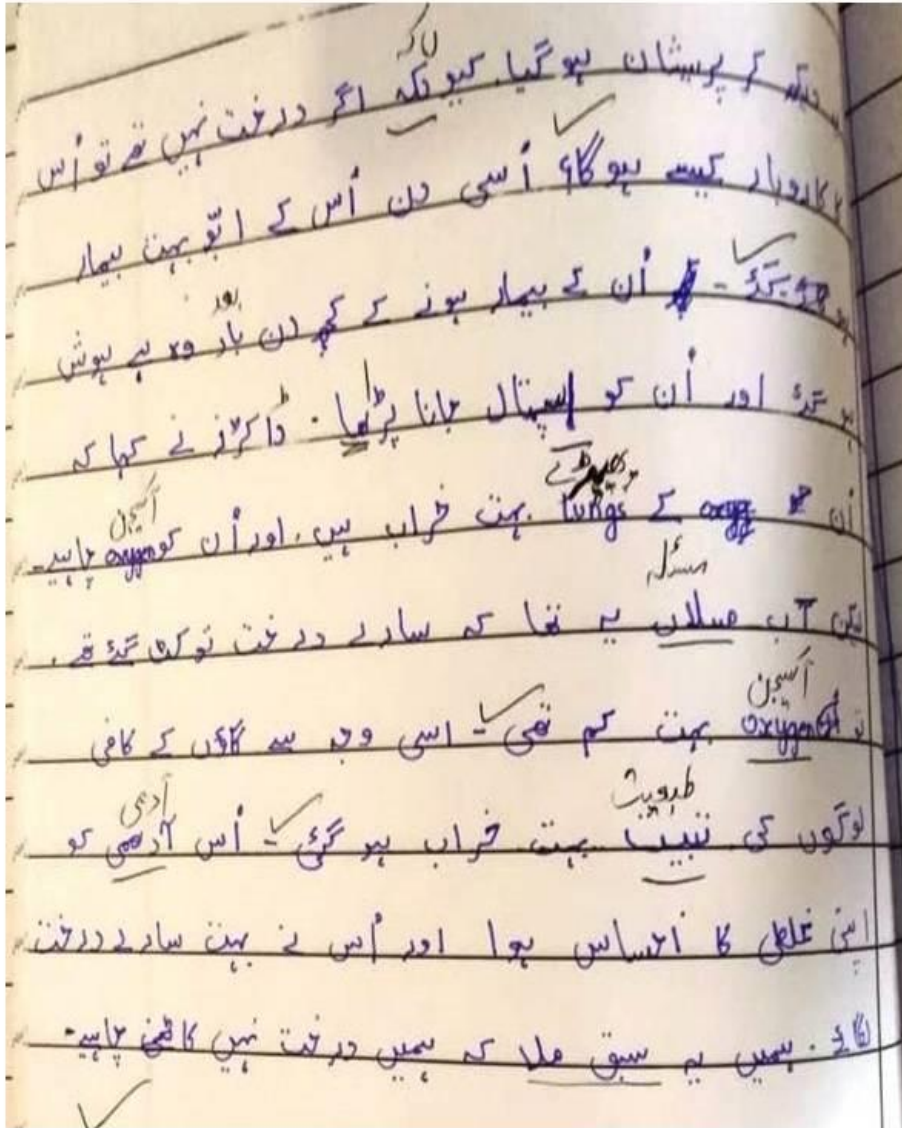
سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

"ایک اچھے طالب علم کی خصوصیات"

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

طلبہ معاشرے کا قابل قدر اور حساس طبقہ ہیں۔ انہیں کو ملک و قوم کا مستقبل سنبھالنا ہے۔ پوری قوم کی، پاکستان کی تعمیر اور ترقی کا انحصار ان کی اعلیٰ تربیت پر ہے۔ طلبہ ملک و ملت کے مقدر کا ستارہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مقصد کو سامنے رکھ کر تعلیم حاصل کریں۔ جب مقصد متعین ہوگا تو راستے خود بخود آسان ہو جائیں گے۔

ایک طالب علم کو چاہیئے کہ وہ اپنی بہترین عادت کی وجہ سے اپنے ارد گرد رہنے والے لوگوں کو متاثر کرے اور ہر جگہ پر وقار بچہ نظر آئے۔ سب سے پہلے وقت کی پابندی کرے۔ وقت وہ دولت ہے جو خریدی نہیں جا سکتی۔ صبح سکول جلدی جانے کے لیے رات کو جلدی سوئے۔ وقت پر سکول پہنچے۔ سکول کے تمام قواعد و ضوابط کا خیال رکھیں۔ اسمبلی میں قطار بنا کر جائے۔ قومی ترانہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ پڑھے۔ اساتذہ کے ساتھ ادب سے پیش آئے۔ استاد جب پڑھا رہے ہو تو توجہ اور دلچسپی سے سنے۔ جماعت کا کام وقت پر کرے۔ اور جماعت کے کام میں شور نہ کرے۔ اپنے ہم جماعت کو پڑھائی میں مدد کرے۔ کسی کے ساتھ بدتمیزی سے پیش نہ آئے

سوال نامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	سکول
ایمن خان	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

وطن سے محبت ایک قدرتی امر ہے۔ انسان جس ملک
میں پیدا ہوتا ہے اس سے بے تہاشا (تحاشہ) لگاؤ اور محبت
کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے ملک سے
حب و الوطنی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنے ملک
کا وفادار ہوتا ہے۔ وہ قومیں جو اپنے ملک سے
پیار کرتی ہیں وہ اپنے ملک پر کسی قسم کی آنچ
نہیں آنے دیتی۔ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں
وہاں اچھے برے کام ہوتے ہیں ضرورت اس امر کی
ہے کہ ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کا خیال رکھیں اور
اپنے پیارے وطن (پاکستان) کو خوبصورت بنائیں
یہی حب الوطنی کا تکازہ (تقاضا) ہے۔ پاکستان کی اچھی چیزوں
کو اجاگر کرنا چاہیئے اور جہاں کمزوریاں ہیں وہاں
بہتری لائی جائے۔ بے اعتنائی، ناپ تول میں کمی
اور دھوکہ دہی ملک کو بے تہاشہ (تحاشہ) نقصان پہنچاتی

معلمہ دستخط ____ (43)

سوال نامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	سکول
علشبا جاوید	نہم	ڈیفنس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

مضمون (سوشل میڈیا پر کھیلے جانے والے کھیل) نام - فوائد -
نقصانات - آپ کی رائے۔

آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے اور آج کل بچے سوشل میڈ
یا پر بہت سی گیمز کھیلتے ہیں۔ جو ان کی صحت کے لیے اچھی
نہیں ہیں۔ جیسے کہ (PUBG) اور (Free Fire) اس میں انہیں لوگوں
کو مارنا ہوتا ہے اور اس میں خون بھی ہوتا ہے جو کہ
بچوں کے دیکھنے کے لیے اچھا نہیں ہے۔ اس نقصان
کی ذہن پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔ آج کل بچے جسمانی
کھیل کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ وہ پورا دن موبائل
میں مصروف رہتے ہیں۔ اور آج کل لوگ
سب کچھ چھوڑ کر صرف موبائل میں گیمز
کھیلتے رہتے ہیں انہیں کسی بھی کام کی فکر
نہیں ہوتی، جسمانی کھیل بھی ہمارے
لیے ضروری ہیں جیسے ہم بالکل بھولا رہے ہیں۔
سارا دن موبائل اور لیپ ٹاپ پر بیٹھنے
کی وجہ سے موٹاپا زیادہ ہوتا ہے اور
بیماریاں بھی لگتی ہیں۔ اسے کھیلنے کے کوئی
فوائد نہیں ہیں یہ بس کاموں کے لیے ہوتا

معلم دستخط ____

68

سوال نامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	سکول
ظفر اقبال	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

عنوان :- کرکٹ کا مقابلہ

سرگرمی :- مکالمہ نگاری

ہانیہ:- السلام علیکم!

حلیمہ:- وعلیکم السلام!

ہانیہ:- آپ نے پاکستان اور انڈیا کا کرکٹ میچ دیکھا تھا؟

حلیمہ:- جی دیکھا تھا آپ کو کیسا لگا پاکستان نے کیسا کھیلا؟

ہانیہ:- پاکستان نے بہت اچھا کھیلا تھا جس کی وجہ سے وہ جیت گئے۔

حلیمہ:- کس نے سب سے اچھی بیٹنگ کی تھی؟

ہانیہ:- بابر اعظم اور محمد رضوان نے سب سے اچھا کھیلا تھا۔ اور مجھے لگتا ہے سب سے اچھی باؤلنگ شاہین شاہ آفریدی اور حسن علی نے کی تھی۔

سوال نامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	سکول
عاطف منیر	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

ماموں کے نام تحفے کے شکریہ کا خط لکھیں۔

کمرہ امتحان،
۲۹ جنوری ۲۰۱۵ء

میرے پیارے ماموں جان! السلام وعلیکم!

ہم سب خیریت سے ہیں اور اُمید کرتی ہیں کہ آپ سب بھی خیریت سے ہوں گے۔ ہم آپ سب کو بہت یاد کرتے ہیں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ پاکستان آئیں گے پر آپ نہیں آئے۔ اب آپ نے ضرور آنا ہے کیونکہ آپ ہمیں بہت یاد آ رہے ہیں۔

ماموں میں نے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے میری دلی خواہش پوری کر دی ہے۔ مجھے ایکس بکس بھیج کر۔ میری تمام دوستوں کے پاس یہ تھا لیکن میرے پاس نہیں تھا۔ اب میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے مجھے یہ تحفہ بھیجا۔ میں روز اس کے ساتھ کھیلتی ہوں۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ ایک دفعہ پھر میں آپ کو اس تحفے کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ہم سب کی طرف سے آپ کو اور ممانی جان کو سلام اور بچوں کو پیار۔ اللہ حافظ

سوال نامہ برائے طلبہ

نام	درجہ	سکول
محمودہ شاہد	نہم	الائیڈ سکول، راولپنڈی

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

اگر میں ایک دن کے لیے بزرگ بن جاؤں

آج مجھے جو مضمون لکھنے کے لیے دیا گیا
ہے وہ بہت اچھا ہے۔ میں سب کچھ اپنے پیارے
دادا جان کی طرح کروں گی۔ بزرگ بہت
اچھے یا برے ہی ہوتے ہیں۔
اگر میں ایک دن کے لیے بزرگ بن
جاؤں تو میں بہت ہی اچھی بزرگ بنوں اور
سب کے ساتھ بہت اچھا رویہ رکھوں گی۔ میں سب سے
بہت باتیں کرتی۔ میں سب بچوں کو اکٹھا
کرتی اور اپنے سارے اچھے تجربات بتاتی۔ بچوں
سے بہت پیار محبت سے پیش آتی بزرگوں سے
ادب اور پیار سے پیش آنے کی تعلیم دیتی۔
میں بچوں کو اتفاق کا درس دیتی۔ اگر
میں ایک دن کے لیے بزرگ بن جاؤں تو
میں اپنے گھر میں پیزا پارٹی رکھوں اس میں
میں اپنی ساری بزرگ دوستوں کو بلاؤں جس
میں ہم بہت مزا کرتے جیسے طرح ہم اسکول کے
زمانے میں کرتے تھے۔ میں صبح صبح پارک میں سیر

سوال نامہ برائے طلبہ

سکول	درجہ	نام
اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد	نہم	مریم ریاض

سوال: اردو استاد کی طرف سے دیے گئے "گھر کے کام" میں سے بطور نمونہ کچھ دکھائیے۔

دیکھ کر پریشان ہو گیا، کیونکہ اگر درخت نہیں تھے تو اس
کا کاروبار کیسے ہوگا؟ اسی دن اس کے ابّو بہت بیمار
ہو گئے۔ ان کے بیمار ہونے کے کچھ دن بار وہ بے ہوش
ہو گئے اور ان کو ہسپتال جانا پڑیا۔ ڈاکٹرز نے کہا کہ
ان کے lungs کے بہت خراب ہیں، اور ان کو oxygen چاہیے۔
لیکن اب مسلاں یہ تھا کہ سارے درخت تو کٹ گئے تھے،
تو oxygen بہت کم تھی۔ اسی وجہ سے گاؤں کے کافی
لوگوں کی تبیت بہت خراب ہو گئی۔ اس آدمی کو
اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے بہت سارے درخت
لگائے۔ ہمیں یہ سبق ملا کہ ہمیں درخت نہیں کاٹنے چاہیے۔

سوالنامہ برائے والدین

نام	ساجدہ

سوال نمبر ۱ : یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جا سکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

اردو ہی استعمال کرنی چاہیے لیکن ساتھ انگریزی بھی اگر بول لی جائے تو کوئی حرج نہیں

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے ؟

جی ہاں بالکل اردو پر دسترس ہونی چاہیے۔

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے ؟

جی ہاں۔

سوالنامہ برائے والدین

	نام
خانلسہ رؤف کاظمی	

سوال نمبرا : یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جاسکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

جو زبان بچوں کو آسانی سے سمجھ آجائے وہ زبان استعمال کرنی چاہیے ۔

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے ؟

جی کرنا چاہیے ۔

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے ؟

بالکل سکھائیں ۔

سوالنامہ برائے والدین

نام	Peter Johan

سوال نمبر ۱ : یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جا سکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

اگر والدین اور اساتذہ کو بتانے کیلئے بچہ اردو کے ساتھ انگریزی الفاظ استعمال کرنا چاہیے تو کر سکتا ہے ۔

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے؟

جی بالکل حاصل کرنی چاہئے ۔

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے؟

جی سکھائے ہیں ۔

سوالنامہ برائے والدین

نام	سیدہ رضوانہ

سوال نمبر۱ : یہ بتایئے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جاسکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

ملائے جاسکتے ہیں ۔

سوال نمبر۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے؟

ضروری ہے ۔

سوال نمبر۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے؟

کبھی غور نہیں کیا ۔

سوالنامہ برائے والدین

نام	اشرف جاوید

سوال نمبر ۱ : یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جاسکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

انگلش الفاظ ملائے جاسکتے ہیں ۔

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے ؟

اردو سیکھنی چاہیے ۔

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے ؟

نہیں ۔

سوالنامہ برائے والدین

نام	حاجی منصور خان

سوال نمبر ا : یہ بتایئے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جا سکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

یا ں

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے ؟

ضروری نہیں

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے ؟

نہیں

سوالنامہ برائے والدین

نام	کلثوم ارشاد

سوال نمبر۱ : یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جاسکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

ملائے جاسکتے ہیں

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے ؟

ضروری ہیں —

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے ؟

نہیں

سوالنامہ برائے والدین

نام	والدہ اسد مسرور عمی

سوال نمبر ۱ : یہ بتایئے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیئے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جا سکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

ملائے جا سکتے ہیں ۔

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے ؟

جی ہاں

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے ؟

نہیں ۔ دیکھ کر سیکھ لیتے ہیں ۔

سوالنامہ برائے والدین

نام	نسیمہ بی بی

سوال نمبر ۱ : یہ بتائیے کہ بچوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں ایک وقت میں ایک زبان استعمال کرنی چاہیے یا اردو کے ساتھ انگلش الفاظ استعمال بھی ملائے جا سکتے ہیں اور ان کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

ملائے جا سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۲ : اردو ہماری قومی زبان ہے، کیا پاکستانی بچے کو شخصیت سازی کے لیے اس زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے؟

جی نہیں سکھانے چاہیے۔

سوال نمبر ۳ : آپ نے بچے کو جن چیزوں کے نام انگریزی میں سکھائے ہیں، کیا ان تمام کا اردو لفظ بھی سکھایا ہے؟

نہیں ہے۔

سوالنامہ برائے اساتذہ

نام	درجہ	اسکول
شاکرہ ندیم	نہم	اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز، اسلام آباد

سوال نمبر ۱ : کیا طلبہ، اردو انشا پردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی ضرورت ہوتی ہے

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

تھوڑا بہت ضرورت ہوتی ہے

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتائیے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

80 فی صد پڑھنا چاہیں گے

سوالنامہ برائے اساتذہ

اسکول	درجہ	نام
اسلام آباد ماڈل سکول، اسلام آباد	9th	فوزیہ احمد

سوال نمبرا : کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی ہاں ا

سوال نمبر۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

نہیں

سوال نمبر۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتائیے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

100%

سوالنامہ برائے اساتذہ

اسکول	درجہ	نام
اسلام آباد ماڈل سکول فار گرلز اسلام آباد	دہم	شازیہ نسیم

سوال نمبر ا : کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی ہاں نوٹس دینے پڑتے ہیں

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

کسی حد تک

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتایئے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

95 فیصد

سوالنامہ برائے اساتذہ

اسکول	درجہ	نام
Defence Edu. System - Rwp.	9 th	ہما حسن فاطمہ

سوال نمبر ا : کیا طلبہ ،اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

نوٹس کی ضرورت پڑتی ہے۔

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتائیے کہ ،اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

میرے خیال میں پچاس فیصد ہی پڑھیں گے۔

سوالنامہ برائے اساتذہ

اسکول	درجہ	نام
[illegible]	نہم	[illegible]

سوال نمبر ۱ : کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی بالکل

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

جی ہاں

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتائیے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

تقریباً 50 فی صد

سوالنامہ برائے اساتذہ

نام	درجہ	اسکول
شہر بانو	نہم	ڈیفینس ایجوکیشن سسٹم، راولپنڈی

سوال نمبر ۱ : کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

جی

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استادیہ بتائیے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

10%

سوالنامہ برائے اساتذہ

نام	درجہ	اسکول
منیب شہزاد	دہم	الائیڈ اسکول راولپنڈی

سوال نمبرا : کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی۔

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

جی ہاں

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتائیے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

تیس فی صد -

سوالنامہ برائے اساتذہ

نام	درجہ	اسکول
مراحلہ ممتاز	نہم	الائیڈ سکول راولپنڈی -

سوال نمبر ۱ : کیا طلبہ ،اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

جی

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتایئے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

۵۰ فی صد

سوالنامہ برائے اساتذہ

اسکول	درجہ	نام
الامید سکول، راولپنڈی	نہم	انجم شہزادی

سوال نمبر ۱ : کیا طلبہ، اردو انشاپردازی کی مشق سے قبل، یاد کرنے کے لیے تحریری مواد (نوٹس، گائیڈ بک) کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جی ہاں

سوال نمبر ۲ : کیا آپ کو اردو الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ کی سہولت کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے؟

جی ہاں

سوال نمبر ۳ : بحثیت اردو استاد یہ بتائیے کہ، اگر اردو کی حیثیت 'اختیاری مضمون' کی کر دی جائے تو کتنے فیصد طلبا شوق سے پڑھنا چاہیں گے؟

بیس فیصد